ماہنامہ دخترانِ اسلام لاہور

جولائی 2024ء

خُدا کو کیوں مانیں؟ اور مذہب کو کیوں اپنائیں؟

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کا خصوصی خطاب

حسین علیہ السلام روشنی کا استعارہ ہے

حُسینیت کی بقا کا پیام ہے زینب سلام اللہ علیہا

ہمارا ذوقِ بندگی

ساری انسانیت ایمان بالانبیاء سے مشرف کیوں نہ ہوئی؟

کامیاب لوگوں کی عادات

ناروے: اتحادِ امت، اعتدال و رواداری، امت کے وسیع تر مفاد میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری سے مذہبی سکالرز، مبلغین و علمائے کرام کے وفد کی ملاقات جس میں شیخ الاسلام اور MQI کے بین الاقوامی کردار پر زبردست الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا گیا۔

منہاج القرآن ویمن لیگ (مرکزی ٹیم) کی یادگارِ شہدائے ماڈل ٹاؤن پر حاضری اور فاتحہ خوانی

پاکستان عوامی تحریک کراچی کے زیرِ انتظام شہدائے ماڈل ٹاؤن کی دسویں برسی کے موقع پر قرآن خوانی و دعائیہ تقریب اور چراغاں کا اہتمام کیا گیا

خواتین میں بیداریٔ شعور و آگہی کیلئے کوشاں

ماہنامہ دخترانِ اسلام لاہور

جلد: 31 شمارہ: 7 / محرم الحرام ۱۴۴۶ھ / جولائی 2024ء

زیرِ سرپرستی بیگم رفعت جبین قادری

چیف ایڈیٹر قرۃ العین فاطمہ

فہرس

اداریہ (حسین علیہ السلام روشنی کا استعارہ ہے)		04
فکرِ شیخ الاسلام خدا کو کیوں مانیں؟ اور مذہب کو کیوں اپنائیں؟	مرتبہ: مریم اقبال	06
ساری انسانیت ایمان بالانبیاء سے مشرف کیوں نہ ہوئی؟	ڈاکٹر نعیم انور نعمانی	15
ہمارا ذوقِ بندگی	ڈاکٹر فرح ناز	24
سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کی عائلی زندگی	سعدیہ کریم	29
تصوف اور تعلیماتِ بابا فریدؒ	رابعہ فاطمہ	34
صحابی رسول کا مزار۔ اسلام کی عظمت وحقانیت کا مظہر	ڈاکٹر انیلہ مبشر	38
ٹائم مینجمنٹ	سمیہ اسلام	42
محرم الحرام کی فضیلت واہمیت	مرتبہ: نازیہ عبدالستار	47
فقہی مسائل: دعائیں قبول کیوں نہیں ہوتیں؟	دارالافتاء منہاج القرآن	55
گلدستہ: (اتباعِ سنت کی سائنسی تحقیق)	نازیہ عبدالستار	59
کامیاب لوگوں کی عادات	آمنہ خالد	66
Impact of High Population in Developing and Developed Countries (Hadia Saqib Hashmi)		71

ایڈیٹر
ثناء وحید
ڈپٹی ایڈیٹر
نازیہ عبدالستار
مجلس مشاورت
نوراللہ صدیقی، ڈاکٹر فوزیہ سلطانہ
ڈاکٹر نبیلہ اسحاق، ڈاکٹر شاہدہ مغل
ڈاکٹر فرخ سہیل، ڈاکٹر سعدیہ نصراللہ
مسز فریدہ سجاد، مسز فرح ناز
مسز حلیمہ سعدیہ، مسز راضیہ نوید
سدرہ کرامت، مسز رافعہ علی
ڈاکٹر زیب النساء سرویا، ڈاکٹر نورین روبی
رائٹرز فورم
آسیہ سیف، سعدیہ کریم، جویریہ سحرش
جویریہ وحید، ماریہ عروج، سُمیَّہ اسلام

کمپیوٹر آپریٹر: محمد اشفاق انجم گرافکس: عبدالسلام
فوٹوگرافی
قاضی محمود الاسلام

مجلہ دخترانِ اسلام میں آنے والے جملہ پرائیویٹ اشتہار خلوص نیت سے شائع کیے جاتے ہیں
ادارہ کی کسی کاروبار میں شراکت ہے اور نہ ہی ادارہ فریقین کے درمیان کسی بھی قسم کے لین دین کا ذمہ دار ہوگا

بدلِ اشتراک

قیمت فی شارہ 60/- روپے

آسٹریلیا، کینیڈا، مشرقِ بعید، امریکہ 15 ڈالر

مشرقِ وسطیٰ، جنوب مشرقی ایشیا، یورپ، افریقہ 12 ڈالر

سالانہ خریداری 700/- روپے

رابطہ: ماہنامہ دخترانِ اسلام 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور فون نمبرز: 3-042-5169111 فیکس نمبر: 042-35168184

Visit us on: www.minhaj.info | E-mail:sisters@minhaj.org

فرمان الٰہی

وَمَا تَكُوْنُ فِیْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَیْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِیْضُوْنَ فِیْهِ ؕ وَمَا یَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَلَاۤ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكْبَرَ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ. اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ. الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ. لَهُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبْدِیْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ. (یونس، ۱۰: ۶۱: ۶۴)

’’اور (اے حبیبِ مکرّم!) آپ جس حال میں بھی ہوں اور آپ اس کی طرف سے جس قدر بھی قرآن پڑھ کر سناتے ہیں اور (اے امتِ محمدیہ!) تم جو عمل بھی کرتے ہو مگر ہم (اس وقت) تم سب پر گواہ و نگہبان ہوتے ہیں جب تم اس میں مشغول ہوتے ہو اور آپ کے رب (کے علم) سے ایک ذرّہ برابر بھی (کوئی چیز) نہ زمین میں پوشیدہ ہے اور نہ آسمان میں اور نہ اس (ذرہ) سے کوئی چھوٹی چیز ہے اور نہ بڑی مگر واضح کتاب (یعنی لوحِ محفوظ) میں (درج) ہے۔ خبردار! بے شک اولیاء اللہ پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ رنجیدہ و غمگین ہوں گے۔ (وہ) ایسے لوگ ہیں جو ایمان لائے اور (ہمیشہ) تقویٰ شعار رہے۔ ان کے لیے دنیا کی زندگی میں (بھی عزت و مقبولیت کی) بشارت ہے اور آخرت میں (بھی مغفرت و شفاعت کی/ یا دنیا میں بھی نیک خوابوں کی صورت میں پاکیزہ روحانی مشاہدات ہیں اور آخرت میں بھی حُسنِ مطلق کے جلوے اور دیدار)، اللہ کے فرمان بدلا نہیں کرتے، یہی وہ عظیم کامیابی ہے۔‘‘

فرمان نبوی ﷺ

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتَّى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ نَفْسِهِ وَأَهْلِي أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ أَهْلِهِ وَعِتْرَتِي أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ عِتْرَتِهِ. وَذَاتِي أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ ذَاتِهِ.

(رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ.)

’’حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کوئی بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کی جان سے بھی محبوب تر نہ ہو جاؤں اور میرے اہلِ بیت اسے اس کے اہل خانہ سے محبوب تر نہ ہو جائیں اور میری اولاد اسے اپنی اولاد سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جائے اور میری ذات اسے اپنی ذات سے محبوب تر نہ ہو جائے۔‘‘

(المنہاج السوی، ص: ۶۱۷)

خواب

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری
کہ فقرِ خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری
ترے دین و ادب سے آ رہی ہے بوئے رہبانی
یہی ہے مرنے والی امتوں کا عالمِ پیری

(علامہ محمد اقبالؒ)

تعبیر

پاکستان کی داستان اس کے لئے کی گئی جدوجہد اور اس کا حصول رہتی دنیا تک انسانوں کے لئے رہنماء رہے گی کہ کس عظیم مشکلات سے نبرد آزما ہوا جاتا ہے۔

(قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ
چٹاگانگ، 23 مارچ 1948ء)

تکمیل

حسد و بغض کے سبب بنی اسرائیل نے رسالت محمدی ﷺ کا انکار کر دیا اور کفارِ مکہ معجزات دیکھنے کے باوجود آپ ﷺ پر ایمان نہیں لائے تو آج جب نبوت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہے اور معجزات بھی رونما نہیں ہوسکتے تو یہ حسد و بغض، برتری و فوقیت کی خواہش اور اقتدار کی طلب کیا کچھ کرواتی ہوگی، اس کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

(خطاب ڈاکٹر محمد طاہر القادری، حسد و عناد حق کے انکار کا سبب بنتا ہے، جون 2024ء)

اداریہ

حسین علیہ السلام روشنی کا استعارہ ہے

محرم الحرام کی آمد پر آنکھیں نمناک اور دل غم میں ڈوب جاتا ہے۔ اس ماہ کے پہلے عشرے میں شبیہ رسول ﷺ حضرت امام حسین عالی مقامؑ سمیت گلشن نبوت کے پھولوں کو کرۂ ارض کے بدبخت ترین شخص یزید ملعون نے اپنی ظالم سپاہ کے ہاتھوں تہ تیغ کروا دیا اور انسانیت کے سینے کو ایسا گھائل کیا کہ آج کے دن تک اس درد اور تکلیف کو محسوس کیا جا رہا ہے۔ حضرت امام عالی مقامؑ نے بنائے دینِ مصطفی ﷺ کی حفاظت کے لئے ظالم یزیدی اقتدار اور اس کی باطل فکر کو جانوں کے نذرانے پیش کر کے بے نقاب کر دیا اور اُمت محمدیہ کے ہر فرد کو یہ پیغام دیا کہ دین کی حفاظت اور قربانی لازم و ملزوم ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے قیامت تک کے ایمان والوں کو ایک نصیحت فرمائی کہ قرآن اور میری عترت سے جڑے رہو گے تو صراطِ مستقیم پر رہو گے۔ اس فرمانِ رسول ﷺ کی روشنی میں ہم سب کا ایمان ہے کہ اہلِ بیتِ اطہار ہی اہلِ حق ہیں اور ان سے محبت ایمان کی مضبوطی و استحکام کی علامت ہے۔

تاریخ عالم شاہد ہے کہ حاکم اور محکوم طبقات کے درمیان صدیوں پر محیط سیاسی اور طبقاتی کشمکش دراصل انسانوں کے بنیادی حقوق کی پامالی کا نتیجہ ہے اور یہ کشمکش اس وقت تک جاری رہے گی جب تک دنیا ابن آدم کو قانون اور حقوق دینے والے پیغمبر امن حضور نبی اکرم ﷺ کی دہلیز سے اپنی

غلامی کا رشتہ استوار نہیں کرتی۔ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آتش نمرود میں بے خطر کود کر کلمہء حق کہنے کی جس پیغمبرانہ روایت کو آگے بڑھایا تھا، اس عظیم روایت کو امام حسین علیہ السلام نے تسلیم و رضا اور ایثار و قربانی سے سینچتے ہوئے کمال تک پہنچا دیا۔ امام حسین علیہ السلام ان کائناتی سچائیوں کی امین ہیں جن کے بغیر تہذیب انسانی کے اجتماعی رویوں کی ہر تفہیم اور توجیہہ بے معنی اور غیر مؤثر ہو کر رہ جاتی ہے۔

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستان حرم
نہایت اس کی حسینؑ ابتدا ہے اسماعیلؑ

شہادت امام حسین علیہ السلام کے بعد کائنات انسانی کو دو کردار مل گئے۔ ایک کردار کا نام یزیدیت ہے جو بدبختی ظلم، استحصال، جبر، تفرقہ پروری، قتل و غارت گری اور خون آشامی کا استعارہ ہے۔ دوسرا کردار حسینیت ہے جو عدل، امن، وفا اور تحفظ دین مصطفےٰ ﷺ کی علامت قرار پایا۔ قیامت تک حسین بھی زندہ رہے گا اور حسینیت کے پرچم بھی لہراتے رہیں گے جبکہ یزید اور یزیدیت قیامت تک کے لئے مردہ ہے۔ امام حسین علیہ السلام اور اہل بیت اطہار علیھم السلام کی قربانیاں آج بھی ہمیں صدا دے رہی ہیں کہ حسین رضی اللہ عنہ سے محبت کرنے والو! حسینیت کے کردار کو اپنے قول و عمل میں زندہ کرو۔ ہر دور کے یزیدوں اور یزیدیت کو پہچانو۔ یزیدیت تمہیں توڑنے اور تمہارے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کے لئے سرگرم عمل ہے جبکہ حسینیت تمہیں جوڑنے کے لئے ہے۔ حسینیت؛ اخوت، محبت اور وفا کی علمبردار ہے جبکہ یزیدیت؛ اسلام کی قدریں مٹانے کا نام ہے۔ حسینیت؛ احیائے اسلام کا نام ہے جبکہ یزیدیت؛ دین اسلام کی تعلیمات کو مسخ کرنے کا نام ہے۔ یزیدیت جہالت کا نام ہے جبکہ حسینیت علم اور فروغ شعور کا نام ہے۔ یزید ظلم کا نام ہے اور حسین امن کا نام ہے۔ یزید اندھیرے کی علامت ہے جبکہ حسین روشنی کا استعارہ ہے۔ یزیدیت پستی اور ذلت کا نام ہے جبکہ حسینیت انسانیت کی نفع بخشی کا نام ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ دلوں کی سلطنت کو حسینی کردار کے ساتھ آباد کیا جائے۔ اس خطے کو اہل بیت اور صحابہ کرام کی محبتوں کا مرکز و محور بنایا جائے۔ فتنہ و فساد، جنگ، قتل و غارتگری کی آگ کو بجھا کر امام حسین علیہ السلام کے جلائے ہوئے چراغ امن سے اپنے ظاہر و باطن کے اندھیرے دور کریں اور سرزمین پاکستان کو امن کا گہوارہ بنا دیں۔ ہمیں اپنے اندر کی نفرتوں اور کدورتوں کو ختم کرنا ہو گا اور بستی بستی قریہ قریہ محبتوں کے چراغ جلانا ہوں گے۔ مدینے سے کربلا تک کے سفر میں قربانیوں کی ان گنت داستانیں بکھری ہوئی ہیں، ان داستانوں کو اپنا شعار بنانا اور شعور کربلا کو ہر سطح پر زندہ کرنا وقت کا تقاضا ہے۔

(ایڈیٹر دختران اسلام)

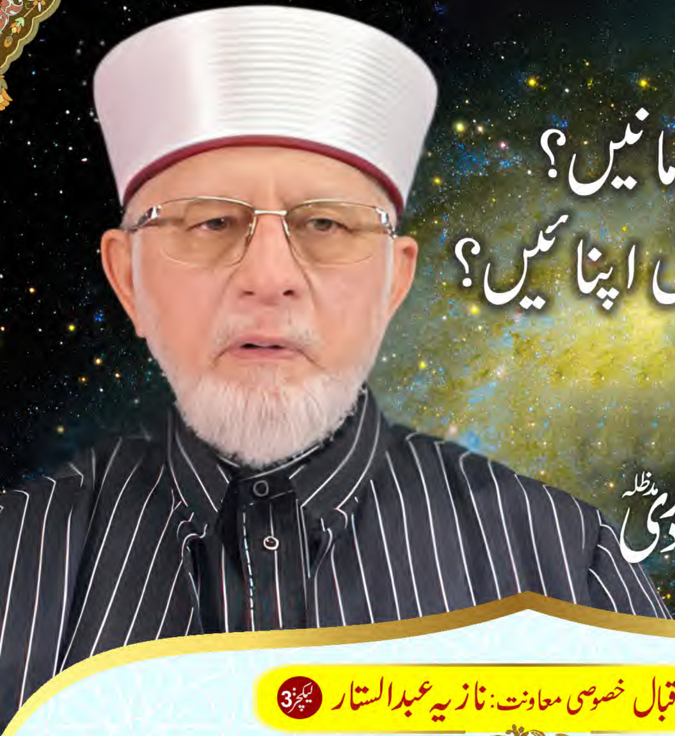

خدا کو کیوں مانیں؟
اور مذہب کو کیوں اپنائیں؟

خصوصی خطاب

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ

مرتبہ: مریم اقبال خصوصی معاونت: نازیہ عبدالستار لیکچر 3

اَوَلَمۡ یَرَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ کَانَتَا رَتۡقًا فَفَتَقۡنٰہُمَا ؕ وَ جَعَلۡنَا مِنَ الۡمَآءِ کُلَّ شَیۡءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا یُؤۡمِنُوۡنَ (الانبیاء: ۳۰)

اور کیا کافر لوگوں نے نہیں دیکھا کہ جملہ آسمانی کائنات اور زمین (سب) ایک اکائی کی شکل میں جڑے ہوئے تھے پس ہم نے ان کو پھاڑ کر جدا کر دیا، اور ہم نے (زمین پر) ہر پیکرِ حیات (کی زندگی) کی نمود پانی سے کی، تو کیا وہ (قرآن کے بیان کردہ اِن حقائق سے آگاہ ہو کر بھی) ایمان نہیں لاتے O

وَ جَعَلۡنَا فِی الۡاَرۡضِ رَوَاسِیَ اَنۡ تَمِیۡدَ بِہِمۡ ۪ وَ جَعَلۡنَا فِیۡہَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّہُمۡ یَہۡتَدُوۡنَ (الانبیاء: ۳۱)

اور ہم نے زمین میں مضبوط پہاڑ جما دیے تاکہ ایسا نہ ہو کہ کہیں وہ (اپنے مدار میں حرکت کرتے ہوئے) انہیں لے کر کانپنے لگے اور ہم نے اس (زمین) میں کشادہ راستے بنائے تاکہ لوگ (مختلف منزلوں تک پہنچنے کے لئے) راہ پا سکیں O (الانبیاء)

وَ جَعَلۡنَا السَّمَآءَ سَقۡفًا مَّحۡفُوۡظًا ۚۖ وَّ ہُمۡ عَنۡ اٰیٰتِہَا مُعۡرِضُوۡنَ (الانبیاء: ۳۲)

اور ہم نے سماء (یعنی زمین کے بالائی کرّوں) کو محفوظ چھت بنایا (تاکہ اہلِ زمین کو خلا سے آنے والی مہلک قوتوں اور جارحانہ لہروں کے مضر اثرات سے بچائیں) اور وہ اِن (سماوی طبقات کی) نشانیوں سے رُوگرداں ہیں O

بد قسمتی سے لندن میں حضور نبی اکرم ﷺ کی شانِ اقدس کی گستاخی میں ایک کتاب چھپی۔ جس کے نتیجے میں وہاں مظاہرے ہوئے ان پر قابو پانے کے لیے british counter terrorism کے ایک آفیسر کی ڈیوٹی لگائی گئی تاکہ لاء اینڈ آرڈر کی صورتحال کو کنٹرول کیا جا سکے۔ وہ ایک انگریز تھا۔ اس کا نام ریچرڈ وارلے تھا۔ وہ چیف پولیس انسپیکٹر تھا۔ جب اس نے لوگوں کا جوش و خروش دیکھا اور ان کے حالات کا جائزہ لیا تو وہ چاہتا تھا کہ لوگوں کی نفسیات کا جائزہ لے کہ ان کے خیالات کیا ہیں جو انہیں اس چیز کیلئے ابھارتے ہیں۔ ان کی نظر میں یہ گستاخی صرف ایک ناول کی طرح تھی۔ اس نے اپنے لوگوں سے پوچھا کہ میں ان کی نفسیات جاننا چاہتا ہوں تو وہ کونسی کتاب ہے جس کو میں پڑھوں تو مجھے ان سے متعلق معلومات ملیں تو اسے قرآن مجید کا بتایا گیا۔ اس نے ۱۹۹۹ء میں قرآن مجید کی انگلش ٹرانسلیشن خریدی تاکہ وہ مسلمانوں کی نفسیات کو سمجھ سکے۔ اس کی اپنی ڈگری علم ارضیات geology سے متعلق تھی اور اس کے سبجیکٹ آف انٹرسٹ astrology تھا۔ قرآن مجید کو پڑھتے پڑھتے وہ ایک آیت پر پہنچتا ہے۔ جو کہ سورہ النبا کی چھٹی اور ساتویں آیت ہے۔

اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ مِهٰدًا ۙ (النباء: ٦)

کیا ہم نے زمین کو (زندگی کے) قیام اور کسب و عمل کی جگہ نہیں بنایا o

وَّ الۡجِبَالَ اَوۡتَادًا (٧)

اور (کیا) پہاڑوں کو (اس میں میخوں کی طرح نہیں) گاڑ دیا؟ o

میخ وہ ہوتی ہے جس کو زمین کے اندر گاڑھا جاتا ہے جتنی وہ گہری ہوتی ہے اتنی ہی مضبوط ہوتی ہے۔ جب اس نے یہ آیت مبارکہ پڑھی کہ ہم نے پہاڑوں کو میخوں کی طرح گاڑھ دیا۔ یعنی پہاڑ جس طرح زمین سے اوپر ہوتا ہے ویسے ہی زمین کے نیچے بھی ہوتا ہے۔ اس نے سوچا کہ ہم نے تو پچھلی صدیوں میں یہ دریافت کیا ہے کہ پہاڑ جتنے زمین کے اوپر ہوتے ہیں اسی طرح اس سے کئی گنا زیادہ زمین کے اندر بھی ہوتے ہیں۔ اس نے کہا کہ عالم انسانیت کو اس بات کا علم انیسویں صدی میں ہوا۔ اٹھارویں صدی تک کسی کو بھی یہ علم نہیں تھا کہ پہاڑ جس طرح زمین کے اوپر ہوتے ہیں اسی طرح زمین کے اندر بھی ہوتے ہیں۔ سائنسدانوں کا یہ کہنا ہے کہ جتنا پہاڑ زمین سے اوپر ہوتے ہیں کم از کم اس کے ۵ یا ٦ گنا زمین کے اندر ہوتا ہے۔ وہ یہ کہتا ہے کہ ہمیں اب پتہ چلا ہے کہ پہاڑ زمین کے اندر بھی ہوتے ہیں اور اس کتاب میں تو بہت پہلے سے درج ہے، اس نے یہ سوچا کہ یہ کتاب کہاں پر نازل ہوئی۔ اور اس کتاب کو کون لے کر آیا۔ آقا ﷺ کو اُمی کا لقب اس لیے دیا گیا کیونکہ حضور ﷺ نے کبھی کسی سے علم نہیں سیکھا تھا۔ اور کبھی بھی ۱۴۰۰ سال میں کوئی بھی یہ تہمت نہیں لگا سکا کہ یہ پیغمبر کہیں سے خفیہ علم لے

کر آیا ہے۔ اس نے پھر سورہ لقمان کی آیت نمبر ۱۰ پڑھی۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَ اَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَ بَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ؕ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ (۱۰)

اس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بنایا (جیسا کہ) تم انہیں دیکھ رہے ہو اور اس نے زمین کے اندر اونچے مضبوط پہاڑ رکھ دیے تا کہ تمہیں لے کر (دورانِ گردش) نہ کانپے اور اُس نے اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے اور ہم نے آسمان سے پانی اتارا اور ہم نے اس میں ہر قسم کی عمدہ و مفید نباتات اگا دیں ٥

اس نے پڑھا کہ ہم نے اس زمین کے اندر پہاڑ گاڑھے تا کہ زمین دورانِ گردش کانپے نہیں اور اس کا balance قائم رہے۔ اور پھر یہ کہ خشکی میں بھی پہاڑ ہیں اور سمندروں میں بھی پہاڑ ہیں۔ وہ یہ پڑھ کر چونک گیا کہ ۱۴۰۰ سال پہلے یہ علم مسلمانوں کی کتاب کو کس نے دیا۔ جب زمین کے اوپر نیچے تحقیقات کرنے کیلئے کوئی آلات نہیں تھے کوئی علم نہیں تھا اور پھر وہ پیغمبر کتاب لائے جنہوں نے کسی سے علم نہیں لیا تو اس بات نے اس کو بہت حیران کیا۔ پھر اس نے سورہ الانبیاء کی آیت مبارکہ پڑھی۔

وَ جَعَلْنَا فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ ۠ وَ جَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ (الانبیاء: ۳۱)

اور ہم نے زمین میں مضبوط پہاڑ جما دیے تا کہ ایسا نہ ہو کہ کہیں وہ (اپنے مدار میں حرکت کرتے ہوئے) انہیں لے کر کانپنے لگے اور ہم نے اس (زمین) میں کشادہ راستے بنائے تا کہ لوگ (مختلف منزلوں تک پہنچنے کے لئے) راہ پا سکیں ٥

جب اس نے یہ ساری آیات پڑھیں تو حیرت زدہ رہ گیا۔ اس کا فوکس اس مقصد سے ہٹ گیا جس کیلئے اس کی ڈیوٹی لگائی تھی۔ اس کی ہدایت کیلئے ایک آیت مبارکہ بھی کافی تھی۔ سوال یہ ہے کہ جس وقت سائنس کا کوئی علم نہیں تھا، تحقیقات کیلئے کوئی آلات نہیں تھے تو اس وقت قرآن مجید کو یہ سارا علم کس نے دیا تو وہ اللہ رب العزت کی ہی ذات ہے جس نے قرآن مجید میں یہ سارا علم دیا۔

اگر زمین بالکل سیدھی کھڑی ہو تو اس کو کانپنے سے بچانے کیلئے میخوں کی طرح پہاڑوں کو گاڑھنے کی ضرورت ہے؟ قرآن مجید کی آیات مبارکہ اس بات کا علم دے رہی ہیں کہ زمین ساکن نہیں ہے بلکہ زمین گردش میں ہے۔ یہ علم آج ہمیں سائنس دے رہی ہے کہ زمین گردش کرتی ہے۔ زمین دو طرح سے گردش کرتی ہے۔ زمین گول ہے۔ ایک گلوب ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ زمین ایک گھر کی طرح ہے جیسے فرش یہ تو اس کو صرف استعارتاً بتایا گیا ہے نہ ہی آسمان چھت کی طرح ہے اس کو بھی استعارتاً بتایا گیا ہے۔ پوری کائنات گولائی میں ہے تو ہر ایک کے اوپر اک چھت ہے جسے آسمان کہتے ہیں۔ زمین دو طرح سے گردش کر رہی ہے ایک تو اپنے محور کے گرد گردش ہے جیسے لٹو اپنے محور کے گرد گھومتا

ہے۔اوراس کی اپنی محور کے گرد رفتار ۱۶۷۰ کلو میٹر فی گھنٹہ ہوتی ہے۔ بڑے سے بڑے جہاز کی رفتار بھی ۱۳۰۰ کلو میٹر فی گھنٹہ ہے۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ گھومتے ہوئے کہیں کانپنے نہ لگے اس لیے پہاڑ رکھے۔ دوسری گردش زمین کا سورج کے گرد گھومنا ہے اور وہ یہ مدار ۳۶۵ دنوں میں مکمل کرتی ہے۔ اس کی رفتار ایک لاکھ ۸ ہزار کلو میٹر فی گھنٹہ ہے۔اور یہ رفتار ۱۰۰ ہوائی جہازوں کی رفتار سے بھی زیادہ ہے۔ یہ سب معلومات توانسان کو آج ملی ہیں۔ تو سوال یہ ہے کہ یہ قرآن جو ۱۴۰۰ سال پہلے نازل ہوا جب علم نہیں تھا تواس قرآن کو کس نے یہ سب بتایا توکسی کے پاس اس کا جواب نہیں سوائے اللہ کے جس نے آقا ﷺ کی طرف یہ علم بھیجا۔ اسی طرح چاند بھی گردش کرتا ہے۔چاند زمین کے گرد بھی گردش کرتا ہے اور اس طرح اپنے محور کے گرد بھی گردش کرتا ہے۔ ان آیات مبارکہ نے رچرڈ والے کو حیران کیا پھراس نے سورہ الذاریات کی ایک آیت مبارکہ پڑھی۔

وَ السَّمَآءَ بَنَیۡنٰهَا بِاَیۡىدٍ وَّ اِنَّا لَمُوۡسِعُوۡنَ (الذاریات:۴۷)

اور آسمانی کائنات کو ہم نے بڑی قوت کے ذریعہ سے بنایااور یقیناً ہم (اس کائنات کو) وسعت اور پھیلاؤ دیتے جارہے ہیں o

اور فرمایا ہم نے ساری آسمانی کائنات کو ایک قوت کے ذریعہ پیدا کیا اور پھر ہم اس کائنات کو مسلسل پھیلاتے جارہے ہیں۔ جب اس نے اس آیت مبارکہ کو پڑھا تو وہ شخص چکرا گیا کہ پہلے تو بات astrology کی تھی اور اب یہ astrophysics کا علم جو سائنسدانوں کو ۱۹۵۶ میں پتہ چلا ہے۔اس کے پڑھنے سے ۲۵ سال قبل اس بات نے اس کو حیران کر دیا کہ کائنات کو قوت کے ساتھ بنایا گیا ہے اوراس کو وسعت اور پھیلاؤ دیتے جارہے ہیں تواس نے یہ سوچا کہ ۱۴ صدیاں قبل جب اس علم کا کوئی تصور بھی نہیں تھا تواس کتاب قرآن کو یہ بات کس نے بتائی؟

سائنسی تحقیق کے مطابق کائنات کی عمر ۱۴ ارب سال تک ہو چکی ہے اور سائنس کے مطابق کائنات نے ابھی ۶۵ ارب سال اور زندہ رہنا ہے۔اور یہ کائنات ازل سے پھیلتی جارہی ہے سوال یہ ہے کہ اس کا اختتام کیا ہوگا؟

آج سے ساڑھے تین سو سال قبل ایک سائنسدان نیوٹن تھا جس نے سائنس کی دنیا میں ایک انقلاب پیدا کیا اس نے کشش ثقل law of gravity کا ایک قانون دیا۔اس کی ابتدائی تحقیقات کے مطابق کائنات ساکن تھی۔اس میں حرکت نہیں ہے۔ ۱۹۱۵ میں البرٹ آئن سٹائن نے ایک نظریہ general theory of relativity دیا اس نے یہ کہا کہ کائنات میں جمود نہیں بلکہ اس میں حرکت ہورہی ہے۔ لیکن آئن سٹائن کو کائنات کے پھیلنے کا تصور نہیں تھا۔ ۱۹۲۹ میں ایک امریکن

سائنسدان ایڈمن ہبب نے پہلی بار یہ مفروضہ پیش کیا کہ کائنات متحرک تو ہے ہی لیکن لگتا یہ ہے کائنات متحرک ہونے کے ساتھ پھیل بھی رہی ہے۔ سائنس کو تو یہ ۱۹۲۹ میں پتہ چلا لیکن تاجدارِ کائنات ﷺ نے ۱۴۰۰ سال پہلے بتادیا۔

Red shift جس کو ہبل لاء بھی کہتے ہیں یہ جس کے مطابق کائنات پھیل رہی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کیلئے اتنی محنت اور وقت لگا ہے۔ اسی زمانے میں ۱۹۲۲ میں الیگزینڈر نے بھی یہ تحقیق کی اور کہا کہ لگتا ہے کہ کائنات پھیل رہی ہے۔ ۱۹۵۶ میں پھر دو سائنسدان جو کہ امریکہ سے تھے آرمو پنزیان اور رابرٹ جلسن نے تحقیق کر کے یہ مسلمہ قانون بنادیا کہ یہ کائنات پھیل رہی ہے اور اس کے نتیجے میں ان دونوں سائنسدانوں کو نوبل پرائز دیا گیا۔ اب سوال یہ کہ جو لوگ پوچھتے ہیں کہ خدا کیا ہے؟ کہاں ہے؟ تو وہ سن لیں خدا وہ ہے جس نے کائنات کا علم اپنے پیغمبر ﷺ کو عطا کیا۔ جس نے کہا کہ ہم نے کائنات کو قوت کے ساتھ پیدا کیا ہے اور ہم اس کو پھیلاتے جارہے ہیں۔ خدا وہ ہے جو اپنی قدرت سے کائنات کو پھیلا رہا ہے اور اس نے یہ سب حقائق تب بیان کیے جب دنیا میں کسی علم کا وجود تک نہیں تھا۔ اور اس کے ۱۳۰۰ سال بعد تک بھی سائنسدانوں کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ کائنات پھیل رہی ہے۔ نیوٹن اور آئن سٹائن جن کا سائنس کی دنیا میں ایک بہت بڑا نام ہے ان کو بھی نہیں پتہ تھا کہ کائنات پھیل رہی ہے۔

کائنات کی وسعتوں کا کسی کو اندازہ بھی نہیں ہے۔ زمین ایک چھوٹا سا خطہ ہے جس میں ہم رہتے ہیں۔ نظام شمسی ہے جس میں زمین ایک چھوٹا سا سیارہ ہے۔ زمین اس میں حرکت بھی کر رہی ہے اور ساتھ ساتھ زمین پھیل بھی رہی ہے۔ سولر سسٹم (نظام شمسی) بھی ۸ لاکھ اٹھائیس ہزار کلو میٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے سفر کرتا ہے۔ زمین کا قطر ساڑھے بارہ ہزار کلو میٹر ہے۔ سورج کا قطر ۱۴ لاکھ کلو میٹر ہے۔ اور زمین اور سورج کے درمیان کا فاصلہ ۱۵ کروڑ کلو میٹر ہے۔

اَوَ لَمۡ یَرَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ کَانَتَا رَتۡقًا فَفَتَقۡنٰہُمَا ؕ وَ جَعَلۡنَا مِنَ الۡمَآءِ کُلَّ شَیۡءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا یُؤۡمِنُوۡنَ (الانبیاء: ۳۰)

اور کیا کافر لوگوں نے نہیں دیکھا کہ جملہ آسمانی کائنات اور زمین (سب) ایک اکائی کی شکل میں جڑے ہوئے تھے پس ہم نے ان کو پھاڑ کر جدا کر دیا، اور ہم نے (زمین پر) ہر پیکرِ حیات (کی زندگی) کی نمود پانی سے کی، تو کیا وہ (قرآن کے بیان کردہ اِن حقائق سے آگاہ ہو کر بھی) ایمان نہیں لاتے o

سائنس یہ کہتی ہے کہ کائنات ایک دھماکے سے قائم ہوئی۔ یعنی ایک انڈے کی طرح ایک چھوٹا سا ذرہ تھی اور وہ پھٹا اور کائنات قائم ہوئی اور پھر اللہ کے امر سے پھیلنے لگی۔

اِنَّمَآ اَمۡرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیۡئًا اَنۡ یَّقُوۡلَ لَهٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ (۸۲)

اس کا امرِ (تخلیق) فقط یہ ہے کہ جب وہ کسی شے کو (پیدا فرمانا) چاہتا ہے تو اسے فرماتا ہے: ہو جا، پس وہ فوراً (موجود یا ظاہر) ہو جاتی ہے (اور ہوتی چلی جاتی ہے) o

۱۹۴۹ میں امریکہ میں ایک لیبارٹری قائم ہوئی جس میں کائنات پر تحقیق کا کام شروع کیا گیا۔ ۱۹۹۰ میں بھی تحقیق سے یہی بات واضح ہوئی کہ کائنات ایک انڈے نما چیز کے پھٹنے سے قائم ہوئی۔ پھر ایک اور ادارہ ناسا نے بھی کائنات کی تحقیق شروع کی اور اپنے مطالعہ کے دوران تصویریں بنائیں اور لیبارٹری میں بھیجیں کہ نیچے تہوں میں ایسی سطحیں ہیں جن میں لہریں ہیں جن کو کوئی نہ کوئی حرکت دے رہا ہے۔ تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۱۴۰۰ سال پہلے امت کو یہ خبر دے رہے ہیں کہ اللہ نے ان کی طرف وحی بھیجی ہے کہ

اَوَ لَمۡ یَرَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ کَانَتَا رَتۡقًا فَفَتَقۡنٰهُمَا ؕ وَ جَعَلۡنَا مِنَ الۡمَآءِ کُلَّ شَیۡءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا یُؤۡمِنُوۡنَ (الانبیاء: ۳۰)

اور کیا کافر لوگوں نے نہیں دیکھا کہ جملہ آسمانی کائنات اور زمین (سب) ایک اکائی کی شکل میں جڑے ہوئے تھے پس ہم نے ان کو پھاڑ کر جدا کر دیا، اور ہم نے (زمین پر) ہر پیکرِ حیات (کی زندگی) کی نمود پانی سے کی، تو کیا وہ (قرآن کے بیان کردہ اِن حقائق سے آگاہ ہو کر بھی) ایمان نہیں لاتے o

کہ کیا ان کافروں نے نہیں دیکھا کہ یہ ساری کائنات آپس میں جڑی ہوئی تھی اور پھر سے ہم نے اسے پھاڑ دیا۔ تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۱۴ صدیاں پہلے دنیا کو بتا رہے ہیں اور سائنس کی تحقیق اس تک ۱۹ ویں صدی تک پہنچی ہے۔ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے اس کو توانائی سے پیدا کیا اور ہم اس کو توانائی سے پھیلاتے جا رہے ہیں۔ امریکہ کا ادارہ ناسا کی ۱۹۸۹ کی تحقیق کے مطابق سائنسدانوں نے یہ مشاہدہ کیا کہ کائنات کے بالائی حصوں میں لہریں big bang radiations ہیں۔ اس کو دیکھ کر ایک امریکن سائنسدان نے اس کا مشاہدہ کیا اور کہا کہ میں آپ کو حلفاً کہتا ہوں کہ یہ لہریں خدا کے ہاتھ کی تحریریں ہیں۔ ۲۰۰۶ء میں ایک اور امریکن سائنسدان جارج سموتھ اس نے فزکس میں نوبل پرائز حاصل کیا۔ اس نے cosmic background دریافت کر کے کہا کہ یہ لہریں جو big bang کی باقیات ہیں ان کو دیکھ کے ایسا لگتا ہے کہ جیسے میں خدا کا چہرہ دیکھ رہا ہوں۔ اس نے یہ اپنے آرٹیکل GOD for 21st century میں بتایا۔ ایک اور سائنس دان نے واشنگٹن پوسٹ میں ایک کتاب لکھی کہ سائنس اللہ کے وجود کا انکار کیوں نہیں کرتی؟

یہ کائنات اتنا پھیلی ہے کہ اس سے اربوں کھربوں کائناتیں وجود میں آگئیں۔ ہماری زمین جس کہکشاں کا حصہ ہے وہ ملکی وے گلیکسی ہے اس سے ہم ۲۶ ہزار نور سال کے فاصلے پر ہیں۔ نوری سال کا فاصلہ 94.6 کھرب کلو میٹر کا فاصلہ ہے۔ ہمارے نظام شمسی کی رفتار بھی ۴ لاکھ ۷ ۴ ہزار فی کلو میٹر ہے۔اور کہکشاں کی رفتار اور اس کا فاصلہ ۶ لاکھ میل فی گھنٹہ ہے۔ ہماری کہکشاں اڑھائی ارب سال میں اپنا سفر مکمل کرتی ہے۔ جیسے ہماری کہکشاں ہیں ایسی کائنات میں ایک کھرب سے ۲ کھرب یا اس سے بھی زیادہ کہکشائیں ہیں۔ سائنس تحقیق کرتے کرتے اس بات پر پہنچی کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ کائنات پھیلتے پھیلتے رک جائے گی اس میں قوت نہیں رہے گی اور اس کا پھیلاؤ رک جائے گا۔ اور سائنس کہتی ہے کہ جب اس کا پھیلاؤ رک جائے گا تو یہ آہستہ آہستہ سکڑنے لگ جائے گی۔اور سکڑتے سکڑتے اتنی سکڑ جائے گی کہ جہاں سے پھیلنا شروع ہوئی تھی۔ سائنس کو اس بات کی خبر آج پتہ چلی ہے کہ کائنات پھیلتے پھیلتے رک جائے گی اور پھر یہ سکڑنا شروع ہو جائے گی۔ رب کائنات نے اس پر بھی آقائے دو جہاں ﷺ کی طرف وحی کی۔ سورہ الطارق میں اللہ رب العزت نے اس کی خبر دی۔

وَ السَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجۡعِ (الطارق:۱۱)

اس آسمانی کائنات کی قسم جو پھر اپنی ابتدائی حالت میں پلٹ جانے والی ہے o

تو گویا قرآن مجید نے سورہ طارق آیت نمبر ۱۱ میں اس بات کی خبر ۱۴ سو سال پہلے دے دی کہ کائنات اپنی پہلے حالت کی طرف پلٹنے والی ہے۔اور یہ کائنات سکڑنا شروع ہو جائے گی اور پھر کیا ہو گا یہ سب آپس میں ٹکرا جائیں گے۔اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔

وَ الۡاَرۡضِ ذَاتِ الصَّدۡعِ (۱۲)

اس زمین کی قسم جو پھٹ (کر ریزہ ریزہ ہو) جانے والی ہے o

اور جب یہ سب ٹکرا جائے گی اور پھر قیامت آجائے گی۔ سورہ التکویر میں فرمایا

اِذَا الشَّمۡسُ كُوِّرَتۡ (التکویر:۱)

جب سورج لپیٹ کر بے نور کر دیا جائے گا o

وَ اِذَا النُّجُوۡمُ انۡكَدَرَتۡ (التکویر:۲)

اور جب ستارے (اپنی کہکشاؤں سے) گر پڑیں گے o

وَ اِذَا الۡجِبَالُ سُيِّرَتۡ (۳)

اور جب پہاڑ (غبار بنا کر فضا میں) چلا دیئے جائیں گے o

پھر سورہ الانفطار میں فرمایا۔

اِذَا السَّمَآءُ انۡفَطَرَتۡ (١)

جب (سب) آسمانی کرّے پھٹ جائیں گے ٥

وَ اِذَا الۡکَوَاکِبُ انۡتَثَرَتۡ (٢)

اور جب سیارے بکھر جائیں گے ٥

پھر سورہ انشقاق میں فرمایا۔

اِذَا السَّمَآءُ انۡشَقَّتۡ (١)

جب (سب) آسمانی کرّے پھٹ جائیں گے ٥

وَ اَذِنَتۡ لِرَبِّهَا وَ حُقَّتۡ (٢)

اور اپنے رب کا حکمِ (اِنشقاق) بجالائیں گے اور (یہی تعمیلِ اَمر) اُس کے لائق ہے ٥

پھر سورہ مرسلات میں فرمایا۔

فَاِذَا النُّجُوۡمُ طُمِسَتۡ (٨)

پھر جب ستاروں کی روشنی زائل کر دی جائے گی ٥

وَ اِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتۡ (٩)

اور جب آسمانی کائنات میں شگاف ہو جائیں گے ٥

وَ اِذَا الۡجِبَالُ نُسِفَتۡ (١٠)

اور جب پہاڑ (ریزہ ریزہ کر کے) اُڑا دیے جائیں گے ٥

سائنس آگے آگے بڑھتی رہے گی اور ہر ایک علمِ قرآنی کی تصدیق کرے گی۔ ایک وقت آئے گا جب ساری سائنس تاجدارِ کائنات ﷺ کے قدموں میں سجدہ ریز ہو جائے گی۔ یہ سارے حقائق واضح ہو جائیں گے کہ کوئی ایک ذات ہے جو اس سب نظام کو چلا رہی ہے۔ کیونکہ یہ علم ۱۴۰۰ سال پہلے خدا کے سوا کوئی اور دے نہیں سکتا تھا۔

خلاصہ

1875ء میں یہ تحقیق سامنے آئی کہ پہاڑ جتنے زمین کے اوپر ہیں، اُتنے ہی زمین کے نیچے ہوتے ہیں۔ یوں سائنس دانوں یہ 150 سال قبل یہ آگہی دنیا کو دی۔ جب کہ اسلام نے آج سے 1400 سال قبل قرآن مجید کے ذریعے یہ معلومات انسانیت کو فراہم کر دی تھیں۔ آج سے ساڑھے 14 صدیاں قبل جہالت بھرے دور میں نازل ہونے والے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے وہ تمام سائنسی حقائق بیان کردیے تھے جو آج سائنسی تحقیق سے معلوم ہو رہے ہیں۔ یہی اس بات کی دلیل ہیں کہ خدا کو مانا جائے۔ المیہ یہ ہے کہ ہم قرآن مجید کو پڑھنا اور اس کی آیات کو سمجھنا ہی نہیں چاہتے۔ خدا، دین اور حق کا راستہ اُن سے معلوم کرنا چاہتے ہیں جو خود بھٹکے ہوئے ہیں۔ ایسے ہزاروں سوالات ہیں جن کی خبر سائنس اور انسانیت کو آج ملی ہیں جب کہ قرآن مجید ان کا واضح تذکرہ ساڑھے 14 صدیاں قبل کر چکا ہے۔

خدا کے وجود سے انکار کرنے والوں سے یہ سوالات لازمی کریں کہ جو علم سائنس کو گزشتہ دو تین صدیوں میں حاصل ہوا، وہ آج سے 1450 سال قبل قرآن کو کیسے معلوم ہوا اور قرآن نے کیسے بیان کیا؟ سائنس آج زمین کی گردش ثابت کررہی ہے، جب کہ قرآن نے زمین کی گردش کا علم 1,450 سال قبل انسانیت کو عطا کر دیا تھا۔ جن کو حق کی تلاش ہوتی ہے وہ سب سے پہلے اُس جگہ جاتے ہیں جہاں حق ملتا ہے۔ پھر اُس پر غور و فکر کرتے ہیں اور سوچ اور تدبر کے ساتھ حق تلاش کرتے ہیں تو اُنھیں حق مل جاتا ہے۔ خدا نے کائنات کے پھیلاؤ کا تصوّر حضور نبی اکرم ﷺ کے ذریعے اِنسانیت کو اُس کو وقت دیا جب عالمِ عرب میں ہر سُو جہالت کے ڈیرے تھے؛ جب کہ سائنس یہ باتیں 1450 سال بعد لوگوں کو بتا رہی ہے۔

ساری انسانیت ایمان بالانبیاء سے مشرف کیوں نہ ہوئی؟

ڈاکٹر نعیم انور نعمانی

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا:

اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ۔ (الاعراف، 7: 62)

”(پھر حضرت ہودؑ اپنی قوم سے مخاطب ہوئے) میں تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچا رہا ہوں اور تمہیں نصیحت کر رہا ہوں۔“

اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ۔

”میں تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچا رہا ہوں اور میں تمہارا امانتدار اور خیر خواہ ہوں۔“

(الاعراف، 7: 68)

ہر نبی و رسول نے آکر اپنی قوم کو یہی بتایا کہ میں تمہاری طرف خود نہیں آیا بلکہ مجھے تمہاری طرف بھیجا گیا ہے۔ بھیجنے والا کون ہے، وہ ربی اور وہ ربکم ہے وہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ وہ میرا بھی معبود ہے اور تمہارا بھی معبود ہے۔ وہ میرا بھی خالق ہے اور تمہارا بھی خالق ہے۔ وہ میرا بھی الٰہ ہے اور تمہارا بھی الٰہ ہے۔ وہ میرا بھی رازق ہے اور تمہارا بھی رازق ہے۔ وہی مجھے بھی مرض میں شفاء دیتا ہے اور تمہیں بھی وہ امراض سے شفاء دیتا ہے۔

بعثت انبیاء کا مقصد، ابلاغ پیغام ربانی ہے

پس اس رب کی جانب سے تمہاری طرف

ابلغکم رسلت ربی۔

کا فریضہ سرانجام دینے کے لیے آیا ہوں میں اپنے رب کا پیغام جو ہے نام تمہارے وہ پہنچانے کے لیے آیا ہوں۔ میرے رب نے تمہارے لیے کچھ احکام عطا کیے ہیں، میں امین بن کر ان پیغامات کو پہنچانے کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں۔

ان رسلت ربی۔ میں تمہارے لیے سراسر نفع ہوں، یہ رسلت ربی تمہاری زندگی کے لیے خیر ہی خیر ہیں۔ ان رسلت ربی میں تمہارے لیے نصیحت ہی نصیحت ہوں، ان رسلت ربی میں تمہارے لیے بھلائی ہی بھلائی ہے اور یہ رسلت ربی اپنے مندرجات میں تمہاری خیر خواہی سے ہی مملو ہیں اور رسلت ربی کے ابلاغ میں اور پہنچانے میں میری اپنی ذات کا کوئی فائدہ و نفع نہیں ہے۔

ان رسلت ربی کے ابلاغ میں میری اپنی ذات کی کوئی منفعت پوشیدہ نہیں ہے۔ وانصح لکم اس میں ساری منفعت اور نصیحت تمہارے لیے ہے۔ میں ان کے پہنچانے میں تمہاری ہی خیر خواہی چاہتا ہوں۔ اس لیے کہ میں اور سب طبقہ انبیاء اس نصیحت کو پہنچانے کے لیے ناصح امین بنائے گئے ہیں۔ تمہارے خیر خواہ اور اس پیغام ربی کو پہنچانے میں سراسر امین اور امانت دار بنائے گئے ہیں۔

دعوت انبیاء دعوت توحید ہے

اس لیے ہماری دعوت یہ نفسانی خواہشات اور انسانی خصوصیات اور ہوائے نفس سے پاک ہے۔ یہ دعوت صرف اور صرف دعوت الی اللہ ہے۔ یہ دعوت حق ہے یہ دعوت رب کی توحید کی دعوت ہے اور یہ دعوت رب کی بندگی کی دعوت ہے اور دعوت خدا کی خدائی کی دعوت ہے اور یہ دعوت رب کی معبودیت کی دعوت ہے اور یہ دعوت اس کی شان وحدہ لاشریک کی دعوت ہے۔ اس لیے آؤ سب سے پہلے اس دعوت پر لبیک کہو اس دعوت کی بنیادیں مولائی رضا و خوشنودی کی ہیں۔ اس لیے آؤ اور آگے بڑھو اور فاستبقوا الخیرات پر عمل پیرا ہو جاؤ اور اس دعوت کو دل و جان سے قبول کر لو۔

انسان کا دعوت انبیاء کی قبولیت میں تامل

اتنے واضح اور صاف مقصد کو سننے اور جاننے کے بعد انسان بلا تامل در نبوت پر جھکا نہیں اور اس انسان نے ان رسلت ربی کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کیا بلکہ یہ اس پیغام ربی کو چھوڑ کر اور اس کی

صداقت و حقانیت کو تسلیم کرنے کی بجائے، یہ انبیاء علیہم السلام کے منصب نبوت کو پرکھنے لگا۔ اس منصب پر فائز ہونے کی ان سے دلیلیں طلب کرنے لگا اور ان کی اس منصب پر فائز ہونے کی علامات صداقت ڈھونڈنے لگا اور ان آثار کی کھوج میں پڑ گیا جو ان کی حقانیت کی واضح براہین ہیں۔

یہ انسان کی عجیب سرشت ہے کہ کسی بھی دوسرے انسان کی عظمت و رفعت کو فوری نہیں مانتا بلکہ اسے منوانا پڑتا ہے۔ اب یہ انسان انبیاء و رسل کو ماننے کے لیے ان سے ایک ایسی دلیل طلب کرتا ہے جس کا وقوع انسان کے بس میں نہیں ہے۔ جس کا صدور انسانی طاقت سے ممکن نہیں ہے، جس کی طلب پر بھی عقل انکاری ہے اور جس کے صدور کو بھی ناممکن جانتی ہے۔ انسان ایسی دلیل ان انبیاء علیہم السلام سے طلب کرتا ہے۔

دعوت کی صداقت پر معجزہ طلبی

انبیاء علیہم السلام قوم کے مطالبے پر ایسے دلائل و براہین کو اللہ کے اذن سے قوم کے سامنے ظاہر کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے قوم عاد حضرت ہود علیہ السلام سے مطالبہ کرتی ہے:

قَالُوْا یٰھُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَیِّنَةٍ۔ (ھود، 11: 53)

”وہ بولے: اے ہود! تم ہمارے پاس کوئی واضح دلیل لے کر نہیں آئے ہو۔“

ہر قوم اپنے نبی سے دلیل نبوت طلب کرتی رہی۔ ایک معجزے کا مطالبہ ہر قوم اور امم کی طرف سے انبیاء علیہم السلام

سے ہوتا رہا اور یہ بھی ان سے کہا جاتا رہا کہ اپنی نشانی و صداقت دکھائیں آپ اپنے مسیحا نبی ہونے کی دلیل معجزہ دیں۔ اس لیے ہر امت یہی کہتی رہی:

اِنْ کُنْتَ جِئْتَ بِاٰیَةٍ فَاْتِ بِھَآ اِنْ کُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ۔ (الاعراف، 7: 106)

”اس (فرعون) نے کہا: اگر تم کوئی نشانی لائے ہو تو اسے (سامنے) لاؤ اگر تم سچے ہو۔“

انسانی فطرت میں موجود اس حقیقت کی بنا پر باری تعالیٰ نے اپنے ہر نبی کو دلیل نبوت، معجزہ نبوت اور علامت نبوت عطا کی۔

معجزات کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کی بعثت

اس لیے قرآن حکیم نے متعدد مقامات پر ارشاد فرمایا:

جَآءَتْھُمْ رُسُلُھُمْ بِالْبَیِّنٰتِ۔ (ابراھیم، 14: 9)

”ان کے پاس اس کے رسول واضح نشانیوں کے ساتھ آئے تھے۔“

اور اسی حقیقت کو سورہ یونس میں یوں ارشاد فرمایا:

وَجَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ۔ (یونس، 10: 13)

”اور ان کے رسول ان کے پاس واضح نشانیاں لے کر آئے۔“

جن کو باری تعالیٰ توفیق دیتا ہے وہ اس کی نشانیوں پر ایمان لے آتے ہیں اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کی شہادت فرعون کا ایک درباری یوں دیتا ہے۔ قرآن بیان کرتا ہے:

وَقَدۡ جَآءَكُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ مِنۡ رَّبِّكُمۡ۔ (المومن، 40: 18)

”وہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح نشانیاں لے کر آیا ہے۔“

اسی طرح رسول اللہ ﷺ اعلان کرتے ہیں کہ مجھ سے پہلے مبعوث ہونے والے انبیاء علیہم السلام بھی معجزات وبینات کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں۔ اس لیے ارشاد فرمایا:

قُلۡ قَدۡ جَآءَكُمۡ رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِىۡ بِالۡبَيِّنٰتِ۔ (آل عمران، 3: 183)

”بے شک مجھ سے پہلے بہت سے رسول واضح نشانیاں لے کر آئے ہیں۔“

مزید برآں اسی مضمون کو آیت نمبر 184 میں بیان کیا ہے:

فَاِنۡ كَذَّبُوۡكَ فَقَدۡ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِكَ جَآءُوۡ بِالۡبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالۡكِتٰبِ الۡمُنِيۡرِ۔

(آل عمران، 3: 184)

”پھر بھی اگر آپ کو جھٹلائیں تو (محبوب آپ رنجیدہ خاطر نہ ہوں) آپ سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کو جھٹلایا گیا جو واضح نشانیاں (یعنی معجزات) اور صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے تھے۔“

اسی طرح حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم ثمود سے کہا:

قَدۡ جَآءَتۡكُمۡ بَيِّنَةٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ۔ (الاعراف، 7: 73)

”بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک روشن دلیل آگئی ہے۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نو معجزات عطا کیے جانا

ان ہی بینات کا ذکر کرتے ہوئے سورہ زخرف میں فرمایا:

وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا مُوۡسٰى تِسۡعَ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ۔ (بنی اسرائیل، 17: 101)

”اور بے شک ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو نو روشن نشانیاں دیں۔“

سورہ قصص میں فرمایا:

فَلَمَّا جَآءَهُمۡ مُّوۡسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ۔ (القصص، 28: 36)

”پھر جب موسیٰ (علیہ السلام) ان کے پاس ہماری واضح اور روشن نشانیاں لے کر آئے۔“

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سے یوں مخاطب ہوئے:

اَنِّیۡ قَدۡ جِئۡتُکُمۡ بِاٰیَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ۔ (آل عمران، 3: 49)

”بے شک میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نشانی لے کر آیا ہوں۔“

اور اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یوں بھی ذکر کیا:

وَلَمَّا جَآءَ عِیۡسٰی بِالۡبَیِّنٰتِ۔ (الزخرف، 43: 63)

”اور جب عیسیٰ علیہ السلام واضح نشانیاں لے کر آئے۔“

اور رسول اللہ ﷺ کو عطا کردہ بینات اور معجزات کا ذکر کرتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا:

وَلَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ ۚ وَمَا یَکۡفُرُ بِہَاۤ اِلَّا الۡفٰسِقُوۡنَ۔ (البقرہ، 2: 99)

”اور بے شک ہم نے آپ کی طرف روشن آیتیں اتاری ہیں اور ان (نشانیوں) کا سوائے نافرمانوں کے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔“

لفظ بینۃ اور بینات کا قرآنی مفہوم

ہم نے اب تک ایسی متعدد آیات کا مطالعہ کیا ہے جن میں لفظ بینۃ اور بینات (جمع) استعمال ہوئے ہیں۔ اللہ رب العزت نے انبیاء علیہم السلام کو ان کی صداقت، ان کی سچائی اور ان کی حقانیت کی علامات کے طور پر ان کو بینہ اور بینات سے نوازا ہے لیکن اب سوال یہ ہے کہ خود بینۃ کا معنی کیا ہے۔

عربی لغات میں بینۃ کا معنی ہے:

بان الشی بین بیانا او انفح فھو بین وھی بینۃ وجمعھا بینات ویستعمل البینۃ فیا یبین الشی ویوضحہ حسیا کان الشی او عقلیا۔ (المعجم، ایرانی)

”بینہ، او بینات، اس چیز کو کہتے ہیں جو حسی اور عقلی طور پر انتہائی واضح اور بہت روشن ہو۔“

گویا بینہ ایک ایسی دلیل ہے جو عقل کو قائل کرنے کے لیے کافی ہے۔ جو انسانی فہم و شعور کو اپنی طرف ایک کھلی حقیقت کے طور پر مائل کرتی ہے۔ اس بینۃ اور بینات کو دیکھنے کے بعد انسان کے لیے عقلی اور حسی اعتبار سے انکار کرنا ممکن نہیں رہتا۔ گویا بینۃ وہ دلیل ہے جو انسان کے حسی حواس اور عقلی حواس دونوں کے لیے بیک وقت ایک حجت قاطع بنتی ہے۔ جس کا انکار سوائے تعصب و عناد کے ممکن نہیں رہتا۔

باری تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو ان بینات و معجزات کے ساتھ بھیجا تاکہ لوگ ان کو دیکھ کر حق کی طرف آجائیں اور رب کی عبادت اور توحید کی طرف راغب ہو جائیں، شرک و الحاد سے

دور ہو جائیں اور لاتعداد خداؤں سے خلاصی پالیں اور ایک رب کے حضور اس کی شان توحید کے ساتھ سر بسجود ہو جائیں۔

بینات انبیاء علیہم السلام کا انکار کا سبب صرف عداوت و بغض ہے

اب ان ساری بینات کو دیکھنے اور جاننے کے بعد بھی کوئی ایمان نہ لائے تو اس کا مطلب ہے اس کے دل میں عداوت اور بغض ہے جو کہ اب ظاہر ہو چکی ہے۔اس لیے فرمایا:

وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ۔(الممتحنة، 60: 4)

’’اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے ایک کھلی دشمنی اور بغض پیدا ہو گیا ہے۔‘‘

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو باری تعالیٰ نے ید بیضاء کا معجزہ عطا کیا ہے، آپ اپنا دست مبارک اپنی بغل سے نکالتے تو وہ روشن و تاباں دکھائی دیتا۔

ید بیضاء کا معجزہ

جس کا ذکر سورہ النحل میں یوں کیا۔ارشاد فرمایا:

وَأَدْخِلْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ فِي تِسْعِ آيَاتٍ۔(النمل، 27: 12)

’’اور تم اپنا ہاتھ اپنے گریبان کے اندر ڈالو وہ بغیر کسی عیب کے سفید چمکدار (ہو کر) نکلے گا (یہ دونوں اللہ کی) نو نشانیوں میں (سے) ہیں۔‘‘

فرعون کے بھرے دربار میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی نبوت کی علامت اور صداقت کا اظہار اپنے عصا کو پھینک کر کرتے ہیں۔

قرآن اس حقیقت کو یوں بیان کرتا ہے۔ارشاد فرمایا:

فَأَلْقَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ۔ وَّنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّاظِرِينَ۔ قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ إِنَّ هَٰذَا لَسَاحِرٌ عَلِيمٌ۔(الاعراف، 7: 107۔ 109)

’’پس موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنا عصا (نیچے) ڈال دیا تو اسی وقت صریحاً اژدہا بن گیا۔اور اپنا ہاتھ (گریبان میں ڈال کر) نکالا تو وہ (بھی) اسی وقت دیکھنے والوں کے لیے (چمکدار) سفید ہو گیا۔قومِ فرعون کے سردار بولے: بے شک یہ (تو کوئی) بڑا ماہر جادوگر ہے۔‘‘

سورہ طہٰ میں یوں ذکر کیا:

وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ آيَةً أُخْرَىٰ۔ لِنُرِيَكَ مِنْ آيَاتِنَا الْكُبْرَىٰ۔(طہٰ، 20: 22، 23)

"اور (حکم ہوا) اپنا ہاتھ اپنی بغل میں دبا لو وہ بغیر کسی بیماری کے سفید چمکدار ہو کر نکلے گا (یہ) دوسری نشانی ہے۔ یہ اس لیے (کر رہے ہیں) کہ ہم تمہیں اپنی (قدرت کی) بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں۔"

عصائے موسیٰ کا رسیوں کو ہڑپ کر جانا

عصائے موسیٰ کے تین معجزوں کا ذکر قرآن یوں کرتا ہے۔ سب سے پہلے فرعون کے دربار میں جب جادوگروں نے اپنی رسیوں کو زمین پر ڈالا تو انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور انہیں ڈرا دیا اور یوں وہ زبردست ایک جادو سامنے لے آئے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ رب العزت نے حکم دیا۔ قرآن بیان کرتا ہے:

وَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی مُوۡسٰۤی اَنۡ اَلۡقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِیَ تَلۡقَفُ مَا یَاۡفِكُوۡنَ۔ فَوَقَعَ الۡحَقُّ وَ بَطَلَ مَا كَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ۔ (الاعراف، 7: 117، 118)

"اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف وحی فرمائی کہ (اب) آپ اپنا عصا (زمین پر) ڈال دیں تو وہ فوراً ان چیزوں کو نگلنے لگا جو انہوں نے فریب کاری سے وضع کر رکھی تھیں۔ پس حق ثابت ہو گیا اور جو کچھ وہ کر رہے تھے (سب) باطل ہو گیا۔"

عصائے موسیٰ کا دوسرا معجزہ یوں صادر ہوتا ہے۔ قرآن اس کا تذکرہ کرتا ہے کہ جب باری تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ لے کر راتوں رات نکل جائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس حکم پر عمل کیا۔ فرعون اور اس لاؤ لشکر نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا تعاقب کیا۔ یہاں تک کہ وہ دونوں سمندر کے کنارے پہنچ گئے۔ اب بنی اسرائیل کا پکڑا جانا بظاہر یقینی تھا۔ اس لیے اصحاب موسیٰ نے کہا انا لمدر کون۔

اب ہم ضرور پکڑے گئے۔ باری تعالیٰ نے عین اس موقع پر اپنی مدد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے لیے نازل کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا۔

عصائے موسیٰ سے سمندر کا پھٹنا اور خشک راستے کا ظاہر ہونا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ط فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِیْمِ۔ (الشعراء، 26: 63)

”پھر ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف وحی بھیجی کہ اپنا عصا دریا پر مارو پس دریا (بارہ حصوں میں) پھٹ گیا اور ہر ٹکڑا زبردست پہاڑ کی مانند ہو گیا۔“

عصائے موسیٰ کی ضرب نے سمندر کو پھاڑ دیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے قرآن بیان کرتا ہے۔ ایک راستہ طریقاً فی البحر یبسا خشک راستہ بنا دیا گیا۔ لیکن فرعون اور اس کی قوم یہ سارا منظر دیکھ کر بھی ایمان نہ لائی حتی کہ انہوں نے بھی

اس راستے پر چل کر ان کو پکڑنا چاہا مگر اللہ نے فرعون اور قوم فرعون کو ان گنت نافرمانیوں پر ہلاک کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

قرآن بیان کرتا ہے:

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ۔ (الاعراف، 7: 136)

”پھر ہم نے ان سے (بالآخر تمام نافرمانیوں اور بد عہدیوں کا) بدلہ لے لیا اور ہم نے انہیں دریا میں غرق کر دیا اس لیے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کی (پے درپے) تکذیب کی تھی اور وہ ان سے (بالکل) غافل تھے۔“

معجزہ عصا موسیٰ سے بحیرہ قلزم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے لیے پھٹ بھی گیا اور ان کے لیے خشک راستہ بھی بن گیا۔ جس پر چل کر وہ پار ہو گئے جبکہ بحیرہ قلزم فرعون اور اس کی قوم کے غرق ہونے کا سبب بن گیا۔

عصائے موسیٰ بارہ چشمے جاری ہونا

اسی طرح اس عصاء موسیٰ نے تیسرا معجزہ یہ صادر ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے پتھر پر مارا تواس سے بارہ چشمے جاری ہو گئے۔ وادی سینا اور وادی تیہ کے صحراء میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور قوم بنی اسرائیل کے ہر خاندان کو ایک چشمہ عصا موسیٰ کے معجزے کی وجہ سے میسر آیا جس کا ذکر قرآن یوں کرتا ہے:

وَاِذِ اسۡتَسۡقٰى مُوۡسٰى لِقَوۡمِهٖ فَقُلۡنَا اضۡرِبْ بِّعَصَاكَ الۡحَجَرَ فَانۡفَجَرَتۡ مِنۡهُ اثۡنَتَا عَشۡرَةَ عَيۡنًا قَدۡ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشۡرَبَهُمۡ۔ (البقرہ، 2: 60)

"اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا تو ہم نے فرمایا: اپنا عصا اس پتھر پر مارو، پھر اس (پتھر) سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔"

عصائے موسیٰ ایک عجیب بینہ ہے

عصائے موسیٰ عجب ایک بینہ رب ہے جو جادو گروں کو رسیوں کو ہڑپ کر جاتا ہے، سمندر کو پھاڑ دیتا ہے اور اس میں خشک راستہ ظاہر کر دیتا ہے اور چٹان کے سینے پر پڑتا ہے تو اس چٹان سے پانی کے بارہ چشمے جاری ہو جاتے ہیں۔ انسان کے یقین کے لیے اور انسان کے ایمان کے لیے اس سے بڑھ کر قائل کرنے والی صداقت و حقانیت نبوت پر اس سے بڑی علامت اور کیا ہو سکتی ہے مگر انسان میں موجود بغض و عداوت اور تعصب و عناد ان سب چیزوں کو دیکھ کر بھی انکار کر دیتا ہے اور ان کو جادو و سحر سے تعبیر کرتا ہے

معجزہ داؤد علیہ السلام۔ لوہے کا موم ہونا

حضرت داؤد علیہ السلام کو باری تعالیٰ نے یہ بینہ اور معجزہ عطا کیا۔ ارشاد فرمایا:

وَاَلَنَّا لَهُ الۡحَدِيۡدَ۔ (سباء، 34: 10)

"اور ہم نے ان کے لیے لوہے کو نرم کر دیا تھا۔"

پہاڑ ان کے لیے مسخر کر دیئے گئے تھے پرندے ان کے تابع فرمان کر دیئے گئے تھے اور لوہے کو جس طرح اور جیسے چاہتے موم کی طرح استعمال کرتے جس سے زرہیں بناتے جو لوگ حالت حرب میں استعمال کرتے۔

ہمارا ذوقِ بندگی

شیخ الاسلام دامت برکاتہم العالیہ کے فکر انگیز خطابات 2024ء

تحریر: ڈاکٹر فرح ناز (صدر منہاج القرآن ویمن لیگ)

حیاتِ انسانی کا طرۂ امتیاز اطاعت و بندگی ہے۔عبادت و بندگی کے مقاصد اور ان کے فوائد و ثمرات اسی وقت حاصل ہوتے ہیں جب ان کو پورے ذوق و شوق سے ان کی شرائط و آداب کے ساتھ ادا کیا جائے۔آج ہماری حالت یہ ہے ہم قانونی طور پر تو اللہ تعالیٰ کے وجود کے قائل ہیں مگر عملی طور پر انتہائی تہی دست ہیں، ہماری غفلتوں، بے یقینی، مایوسی نے ہمیں عملی الحاد میں مبتلا کر دیا ہے۔ جس نے ہماری زندگیاں، ہمارے گھر بار اور سماج و معاشرہ کو تباہ و برباد کرکے رکھ دیا ہے۔ہماری زندگی کی ناؤ صعوبتوں، جسم وجاں کی کسمپرسی اور معاشی و سماجی پریشانی کے بھنور میں پھنس کر عبادت و مناجات اور سیدھی و سچی، روشن راہ اختیار کرنے کی بجائے کفر و الحاد کی وادی پُر خار سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں پا رہی۔ صحبت بد کے اثرات نے ہمیں بہت سی ظاہری و باطنی پریشانیوں میں مبتلا کر دیا ہے، بلاشبہ نیک مجالس اور صحبتیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت و بندگی کا ذوق و شوق بڑھانے کا ذریعہ ہوتی ہیں۔ عشرۂ اعتکاف میں شیخ الاسلام دامت برکاتہم العالیہ کی نیک صحبت کا میسر آنا یقیناً بڑی سعادت کی بات ہے۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے دلنشین اور خوبصورت انداز میں حاضرین و سامعین کو دعوت فکر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

”وہ لوگ جو غلط مصادر اور صحبتوں کے برے اثر سے اپنے اذہان اور دل و دماغ میں تشکیک ،شکوک و شبہات پیدا کر بیٹھے ہیں، جن کی دولت ایمان لٹ گئی ہے یا لٹنے کو ہے، جو ایمان کی دنیا سے اپنا یقین متزلزل کر بیٹھے ہیں، وہ اپنی آنکھیں کھولیں اور احساس بندگی سے اپنے ایمان کو مضبوط و مستحکم کر کے ایقان کے درجے پر پہنچیں۔اللہ پر جس قدر ایمان کامل، مضبوط اور مستحکم ہوتا چلا جائے گا اتنا ہی اللہ کے قریب ہوں گے اور جتنا قریب ہوتے چلے جائیں گے اتنا ہی اللہ کے احکام زندگی میں داخل ہوں گے اور ان احکام کی پیروی میں لطف، لذت اور سرور ملے گا اور بندگی نکھرتی چلی جائے گی۔“

شیخ الاسلام کی دعوتِ فکر و عمل سے انسان کے اندر ایک سچی کھوج کا داعیہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کہاں اور کیسے تلاش کریں؟

”دنیوی لحاظ سے تو ہر شخص کا کوئی نہ کوئی address ہوتا ہے لیکن اللہ رب العزت ہر جگہ موجود ہے، وہ ہستی ہر جگہ ہے ،زمین وآسمان کی ساری کائنات میں موجود ہے اس کا پتہ جس طرح کا ہم جاننا چاہتے ہیں وہexist نہیں کرتا، اس کا ایک مخصوص ایڈریس نہیں وہ ہماری دنیا میں ہر جگہ ہے اور ان دنیاؤں پر بھی محیط ہے جو ہم نہیں جانتے۔“ (پہلا خطاب عشرہ اعتکاف2024ء)

حضور شیخ الاسلام کی سوچ کا یہ انداز ذوق بندگی کو پذیرائی بخشتا ہے۔تمام جن و انس کی تخلیق کا مقصد عبادتِ الٰہی ہے اور تمام عبادات کا مقصودِ اصلی یادِ الٰہی ہے۔بندہ جب اللہ تعالیٰ کے ذکر کو حرزِ جاں بنالے اور اس کی تلاش میں نکل کھڑا ہو تو اسے قربِ الٰہی کی دولت نصیب ہوتی ہے۔اقرار توحید باری تعالیٰ کا افضل ذکر ”لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ“ ہے اور یہ وہ کلمہ ہے جو ہم سب کو اپنی وراثت میں ملا مگر اس کلمے کا اولین تقاضا اپنے اندر جھانکنا ہے کہ جس ہستی کا میں نام لیتا ہوں، اس ہستی کے بارے میں میرا تعارف اور پہچان کتنی ہے اور پھر میرا تعلق بندگی کیسا ہے؟

ہم بظاہر مسلمان ہونے کے باوجود اپنے رب کے حقیقی تعارف، اس کی پہچان اور اسکے ساتھ تعلق میں بہت کمزور بنیادوں پر کھڑے ہیں۔یعنی ایمان لانے کے باوجود

اللہ تعالیٰ پر ہمارا اعتقاد متزلزل ہے۔اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ محض اللہ پر ایمان لانا کچھ اور بات ہے اور اس عظیم ہستی کی عظمت کو اس طرح محسوس کرنا کہ رب تعالیٰ کی ہمہ وقت موجودگی کا احساس بندے کے وجود اور طبیعت کو پورے طور پر اپنی تحویل میں لے لے یعنی اللہ کی موجودگی کا احساس کسی مسلمان کے انگ انگ اور شعور میں مکمل طور پر سرایت کر جائے اور دل پر اس کی عظمت مستقل نقش ہو جائے یہ الگ بات ہے۔مزید یہ کہ

شیخ الاسلام کے خطابات نے فتنہ الحاد کے بارے جس پُرزور انداز میں نئی نوجواں نسل کو آگاہ کیاہے وہ وقت کی اہم ترین ضرورت تھی۔یہ فتنہ کس قدر حملہ آور ہے اس کا ادراک بھی بہت ضروری ہے۔آپ نے اپنے ان خطابات میں عصری ضروریات کے مطابق سائنسی دلائل سے وجود باری تعالیٰ کا ثبوت فراہم کیا ہے۔آپ نے فرمایا کہ سائنس نے اپنی تحقیق کے ذریعے یہ ثابت کر دیا کہ اس کائنات میں اور انسانی وجود کے اندر ایسے بے شمار حقائق ہیں جو دیکھے نہیں جا سکتے، اس کے باوجود ان کو مانتے ہیں، نہ خوردبین نے دیکھا ہے، نہ سائنسدان نے دیکھا ہے مگر ہر سائنسدان ایٹم ،نیوکلیس، الیکٹران، نیوٹرون، پروٹان کے وجود پر ایمان رکھتا ہے۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے کہا:

”صرف نظر آنا یا نہ آنا کسی حقیقت کو ماننے یا نہ ماننے کا واحد طریقہ نہیں ہے۔ آپ سائنس کی دنیا میں ایسی ہزاروں چیزوں کو مانتے ہیں اوران پر یقین رکھتے ہیں جو نہ نظر آئی ہیں نہ نظر آ سکتی ہیں۔“ (پہلا خطاب عشرہ اعتکاف2024ء)

حضور شیخ الاسلام نے اپنے خطابات میں رب کریم سے شوق ملاقات کی نگہداشت اور رب تعالیٰ کے ساتھ تعلق بندگی کی بلندی حاصل کرنے کا جو نصاب دیا ہے یہ امت مسلمہ کی خوش بختی ہے، کیونکہ عقیدہ کی درستگی اور حفاظت انتہائی ضروری ہے اگرچہ عمل زندگی کا حسن ہے مگر نجات کا دارومدار عقیدے پر ہے۔ان خطابات سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ خدا کا پتہ وہی بتا سکتا ہے جو خود ان راہوں کی معرفت رکھتا ہو اور جو خود منزل آشنا ہو۔ہمیں چاہیے کہ دین وایمان، عقیدہ و عمل کی درستگی اور حق سچ کی حقیقت کی تلاش کے لئے کسی ثقہ کی طرف رجوع کریں۔ وہی ہمیں درست بات بتا سکتا ہے جسے خود حق کی آگہی ہو۔جب ”لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ“ کہتے

ہیں تو اس کا ادراک ہونا چاہئے کہ اس کا مطلب کیا ہے؟

دور حاضر میں ہمارے وجود سے امت کو جو خیر پہنچنا ہے وہ بعد کی بات ہے لیکن ہمیں خود اپنی ذات میں جس خیر کا حامل ہونا چاہئے پہلے اس کا ادراک بہت ضروری ہے۔اس وقت ہم عقیدہ کے اعتبار سے ایک ایسے انکار کی تہذیب میں سانس لے رہے ہیں جس میں شر کو تہذیبی تحفظ ، پشت پناہی اور حوصلہ افزائی حاصل ہے۔

آج کے مسلمان کو دنیا کے حالات کی فکر تو ہے مگر اپنے حال کی کوئی فکر نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آج کا مسلمان اپنے رب کو بھولا ہوا ہے۔ ہمارے محسوسات ، ہمارے ارادے اور ہماری نیات کو اس کے وجود کے احساس سے عاری ہیں۔اس ہستی کو بھول جانے کی وجہ سے ہمارا طرز زندگی ، ہماری طرز فکر اور ہماری قوت فیصلہ اضملال کا شکار ہے اب غیروں پر اسلاف جیسا کوئی رعب ودبدبہ نہیں رہا۔اس کے لیے وجودِ باری تعالی کے حقیقی ادراک کی اشد ضرورت ہے۔

شیخ الاسلام کے خطابات کی یہ سیریز ہمیں وہ نفسیات عطا کرتی ہیں جو درحقیقت بندگی کے لئے مطلوب ہیں اور ہمارے شعور، میلاناتِ نفس اور ہمارے زوایہ نگاہ اور ہمارے احوال کو درست کرنے اور درست رکھنے کے لئے کافی و شافی سامان فراہم کرتی ہیں۔

- اللہ کیا ہے؟
- کیسا ہے؟
- کیا چاہتا ہے؟
- اس کو مجھ سے کیا توقعات ہیں؟
- میری اس سے کیا expectation ہیں؟
- میں اللہ کو کس طرح جانوں؟
- میں اللہ کو کس طرح سمجھوں؟
- میں اللہ کے بارے کیا گمان کروں؟
- اور اللہ کو کس طرح پہچانوں؟
- میرا رب تعالی سے تعلق کیسا ہونا چاہیے؟

شیخ الاسلام نے ان خطابات میں ان لوگوں کا بھی ذکر کیا ہے جنہوں نے خدا کا صرف پتہ ہی نہیں پایا تھا بلکہ خود خدا سے ملاقات بھی کی تھی۔ خدا سے ان کی ملاقات صرف نماز سے نہیں بلکہ کائنات میں بکھرے مشاہدات و بینات کے ذریعہ اللہ کی ذات پر مضبوط و مستحکم ایمان و ایقان کی وجہ سے تھی۔

اگر موجودہ سائنسی قائق کی روشنی میں زندگی کے ہر ہر گوشے میں اللہ کی نشانیاں دکھائی دینے لگیں، اللہ رب العزت کے وجود اور اس کی ہستی میں کوئی شک و شبہ نہ رہے ، کائنات میں موجود چاند سورج، ستاروں، کہکشاؤں اور سیاروں کا نظام اسی طرح جمادات و نباتات کے افعال الغرض جس جس شے کو دیکھو اس میں غور کرنے سے اللہ کی قدرت جلوہ گر نظر آئے گی، جب ایسا تعلق پیدا ہو جائے تو پھر نماز اللہ کی ملاقات کا مؤثر ذریعہ بن جاتی ہے۔ انسان پر ذوق بندگی میں ایسا حال اور کیفیت طاری ہوتی ہے کہ پھر کلمہ محض ایک رٹا ہوا جملہ نہیں رہ جاتا بلکہ زندگی کی حقیقت بن جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی پہچان اور ذوق بندگی کی بالیدگی کے لئے شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے 2024ء کے خطابات نسخہ کیمیا ہیں۔

ان خطابات کی اہمیت ایمانی تناظر میں اس اعتبار سے بھی زیادہ بڑھ جاتی ہے کہ اس کے ذریعے انسان کو اپنے معیار بندگی کی حفاظت، مقاصد بندگی کی تکمیل، ذوق عبادت کے تحفظ، اپنے یقین کی پختگی، عمل میں حسن پیدا کرنے کی قابلیت حاصل کرنے کے لئے، عقیدے کو بلند، صاف ستھرا اور شفاف رکھنے کے لئے بہترین نصاب و مواد موجود ہے۔ بنیادی طور پر محسن وہ ہوتا ہے جو انسان کو تصور بندگی کو درست کرتا ہے اور انسانوں کو اپنی اصلاح کی سچی فکر کے لئے تیار کرتا ہے۔ یقیناً نسلوں پر شیخ الاسلام کا یہ احسان رہتی دنیا تک یاد رکھا جائے گا۔

سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کی عائلی زندگی

سعدیہ کریم اسلامک سکالر

تعارف

حضرت زینب بنت علی علیہا السلام کا نام زینب اور کنیت ابوالحسن ہے۔ آپؓ کی پیدائش جمادی الاول ۵ ہجری (یکم اکتوبر 626ء) کو ہوئی۔ نبی کریم ﷺ نے ان کا نام زینب رکھا۔ آپ ﷺ اپنی نواسی سے بے پناہ محبت فرماتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ

”زینب اپنی نانی حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی شبیہ ہیں۔“

القابات

اسلامی تاریخ میں حضرت زینبؓ کو بہت سے القابات سے یاد کیا جاتا ہے۔ ایک معروف روایت کے مطابق ان کے القابات کی تعداد 61 ہے۔ آپؓ کو ثانی زہرا، عالمہ غیر معمولی معلمہ، نائبۃ الزہراء، عقیلہ بنی ہاشم، نائبۃ الحسین، صدیقہ صغریٰ، محدثہ، زاہدہ، فاضلہ، شریکۃ الحسین، شجاعہ فصیحہ، عابدہ، فاضلہ اور ام المصائب جیسے القابات سے شہرت حاصل ہوئی ہے۔

بچپن / جوانی

حضرت زینب سلام اللہ علیہا اپنے والدین اور نانا کی بے پناہ لاڈلی تھیں انھیں نبی کریم ﷺ سے سیکھنے اور علم حاصل کرنے کا موقع ملا تھا۔ نبی کریم ﷺ کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ کسی بھی سفر سے

واپسی پر سب سے پہلے اپنی بیٹی فاطمہؓ کے گھر جایا کرتے تھے ایک دن جب سفر سے واپس پہنچے تو حضرت زینبؓ کی پیدائش کی خبر ملی۔ حضرت علیؓ نے فوراً نو مولود بچی کو نانا کی آغوش میں دے دیا۔ آپ ﷺ نے چہرہ زینب پر نظر ڈالتے ہی فرمایا کہ یہ اپنی نانی کے مشابہ ہے پھر آپ ﷺ نے گھٹی کے طور پر اپنا لعاب دہن بچی کے منہ میں ڈالا، کھجور چبا کر تالو سے لگائی اور بچی کا نام تجویز فرمایا۔

حضرت زینبؓ 6 سال کی عمر تک اپنے نانا کی آغوش سے محبت اور رحمت سمیٹتی رہیں۔ آپ ﷺ کی تربیت کے زیر اثر دینی امور کے علوم حاصل کیے اور ان میں مہارت حاصل کی۔ حضرت زینب انتہائی ذہین، عقلمند اور بے پناہ فہم و فراست کی مالکہ تھیں۔ قوت حافظہ بہت مضبوط اور اعلیٰ درجے کی تھی تحریر و تقریر کے فن میں بھی ید طولیٰ رکھتی تھیں۔ بچپن سے ہی لوگوں کو اپنی گفتگو اور علم کے ذریعے اپنا اسیر کر لیتی تھیں چال ڈھال سے وقار حیدری چھلکتا تھا۔

6 سال کی عمر میں سیدہ زینبؓ کے محبوب نانا وصال فرما گئے۔ ابھی اسی صدمے کے زیر اثر تھیں کہ چھ ماہ بعد والدہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا بھی وصال فرما گئیں۔ ان صدمات کی وجہ سے معصوم کلی مرجھا کر رہ گئی۔ روایات میں آتا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کا وقت وصال تھا تو آپ ﷺ نے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا سے کہا کہ بچوں کو بلاؤ۔ نانا کو اس حالت میں دیکھ کر سب بچے رونے لگے۔ حضرت زینبؓ نے اپنا سر آپ ﷺ کے سینہ مبارک پر رکھ دیا۔ آپ ﷺ نے ان کی مبارک پیشانی کو چوما اور اپنا دست شفقت سر پر پھیر کر دلاسہ دیا۔ نانا جان اور والدہ محترمہ کے وصال کے بعد حضرت علیؑ اور امام حسن و حسینؓ نے حضرت زینبؓ کا بہت خیال رکھا۔

علم و فضل

حضرت زینبؓ کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ ان کے چہرہ مبارک پر اپنے نانا جان جیسا جلال تھا اور حرکات و سکنات اور چال ڈھال میں آپؓ اپنے والد حضرت علیؓ کے مشابہ تھیں۔ علم و فضل اور خوبصورتی و خوب سیرتی میں قبیلہ قریش کی کوئی لڑکی ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی تھی۔

حضرت علی المرتضیٰؓ کی شفقت پدری اور تعلیم و تربیت کے نتیجے میں تمام بچوں کے دل و دماغ علم و حکمت کے خزانوں سے معمور ہو گئے تھے۔ حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے بھی اپنے والد کے علم و فضل سے خوب استفادہ کیا۔ یہاں تک کہ زہد و تقویٰ، عقل و فراست، حق گوئی و بے باکی، عفت و عصمت اور عبادت و شب بیداری میں اپنی والدہ حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی مثل ہو گئیں۔

جود و سخاوت، نرمی و شفقت، صبر و قناعت، سادگی اور محنت و مشقت آپ کی خصوصیات میں قابل ذکر ہیں۔ 37 ہجری کو کوفہ میں آپؓ نے درس و تدریس کا آغاز کیا تھا۔ کچھ ہی عرصے میں آپ کی شہرت ہو گئی۔ دور و نزدیک سے خواتین اپنے علم کی تشنگی کو مٹانے کے لیے آپ کے حلقہ درس میں شامل ہوتی تھیں اور آپ سے علم و معرفت کے خزانے حاصل کرتی تھیں۔

نکاح ور خصتی

حضرت زینب سلام اللہ علیہا جب سن بلوغت کو پہنچیں تو قبیلہ کندہ کے رئیس اشعث بن قیس نے ان کے لیے نکاح کا پیغام بھیجا جسے حضرت علی المرتضیٰؓ نے کسی وجہ سے رد فرما دیا۔ حضرت زینبؓ کی خوب صورتی اور خوب سیرتی کی وجہ سے لوگ شادی کے خواہش مند تھے لیکن حضرت علیؓ نے اپنی لاڈلی بیٹی کے لئے اپنے شہید بھائی اور غزوہ موتہ کے ہیرو حضرت جعفر بن طیارؓ کے بیٹے عبد اللہ بن جعفرؓ کو منتخب فرمایا۔ حضرت جعفرؓ کی شہادت کے بعد نبی کریم ﷺ نے ان کے بچوں کی خود تربیت فرمائی تھی اور حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد حضرت جعفر کے بچے حضرت علی المرتضیٰؓ کی زیر تربیت رہے تھے۔

حضرت عبد اللہؓ اپنے والد حضرت جعفر طیارؓ کی طرح اعلیٰ صفات اور پاکیزہ اخلاق کے مالک تھے۔ حضرت زینبؓ کا بچپن فقر و غنا میں گزرا تھا لیکن شوہر کے گھر میں مال و دولت اور عیش و آرام تھا۔ حضرت عبد اللہ کا شمار مدینہ طیبہ کے امیر ترین تاجروں میں ہوتا تھا۔ حضرت زینبؓ اور حضرت عبد اللہؓ کا نکاح حضرت علی المرتضیٰؓ نے مسجد نبوی میں نہایت سادگی سے پڑھایا۔ حضرت عمر فاروقؓ اور دوسرے جلیل القدر صحابہ کرامؓ بھی اس نکاح میں شامل تھے۔ حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ

"یہ ایک مثالی مسلمان جوڑے کا نکاح تھا۔"

مختلف روایات کے مطابق نکاح کے وقت حضرت زینب کی عمر 11 یا 13 سال تھی اور حق مہر 480 درہم تھا۔

حضرت زینبؓ کی عائلی زندگی

حضرت زینبؓ کی ازدواجی اور عائلی زندگی نہایت خوشگوار تھی۔ آپؓ اپنے شوہر کی بے حد خدمت گزار تھیں۔ حضرت عبد اللہ بھی ان کی دلجوئی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے تھے۔ آپؓ کے گھر میں لونڈیاں اور خادم بھی تھے لیکن گھر کا زیادہ تر کام حضرت زینبؓ خود کیا کرتی تھیں۔ حضرت عبد اللہؓ ان کی بہت

تعریف کیا کرتے تھے وہ فرماتے تھے کہ ”میں نے خاتون خانہ میں زینب سے بہتر عورت نہیں دیکھی۔“ ایک مرتبہ فرمایا کہ ”زینب بہترین گھر والی ہے۔“

حضرت زینبؓ کو اللہ تعالیٰ نے چار بیٹوں سے نوازا تھا اور ایک بیٹی عطا فرمائی تھی۔ ان کے بیٹوں میں عون، محمد، علی اور عباس ہیں جبکہ بیٹی ام کلثوم تھی عون اور محمد دونوں شہید کربلا ہیں۔ جب حضرت علی المرتضیٰؓ نے بطور خلیفہ کوفہ کو اپنا مستقر اور ٹھکانہ بنایا تو حضرت زینبؓ بھی اپنی فیملی سمیت کوفہ آگئیں وہاں پر انھوں نے درس وتدریس اور وعظ و ہدایت کا کام انتہائی دلیری اور دلچسپی سے کیا کوفہ کی خواتین درس ہدایت لینے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر رہا کرتی تھیں۔ آپؓ کے علم و فضل کا چرچا بہت دور تک پھیل چکا تھا دور و نزدیک سے علم کے متلاشی آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے تھے۔

حضرت زینبؓ علم و فضل کا مرقع تھیں فہم و فراست اور علم و حکمت کا انمول ذخیرہ والدین سے ورثہ میں ملا تھا والد کی فصاحت و بلاغت آپ کی شخصیت کا خاصا تھا۔ بچپن سے ہی شاعری کا شوق بھی رکھتی تھیں۔ اپنی گفتگو میں برملا اشعار کا استعمال کرتی تھیں جب حضرت علی المرتضیٰؓ شہید ہوئے تو انھوں نے اپنے غم کا اظہار مختلف اشعار میں کیا۔ والد کی شہادت کے بعد بھائیوں کے ساتھ دوبارہ مدینہ منورہ منتقل ہو گئیں۔

حضرت زینب سلام اللہ علیہا اپنے بھائیوں خاص طور پر حضرت حسینؓ سے بہت محبت کرتی تھیں۔ حضرت عبد اللہؓ ان کی محبت سے واقف تھے وہ ہمیشہ حضرت زینبؓ کی خوشی کا خیال رکھتے تھے۔ اور کبھی ان کے بھائیوں کی محبت میں رکاوٹ نہیں بنے تھے۔ حضرت زینبؓ اور حضرت امام حسینؓ کی محبت بچپن سے ہی زبان زد عام تھی۔ اسی محبت کا ذکر ایک دفعہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیھا نے نبی کریم ﷺ کے سامنے فرمایا کہ ”بابا مجھے زینبؓ اور حسینؓ کی محبت دیکھ کر کبھی کبھی حیرت ہوتی ہے یہ لڑکی اگر حسین کو ایک لمحے کے لیے نہیں دیکھتی تو بے چین ہو جاتی ہے۔ اس وقت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بیٹی زینب مستقبل میں اپنے بھائی حسین کی مصیبتوں اور سختیوں میں بھی اس کے ساتھ ہو گی۔

اسی لیے حضرت زینبؓ نے اسلام کی حفاظت اور ملت اسلامیہ کی اصلاح کے لیے سفر کربلا اختیار کیا اور اپنے شوہر کی اجازت سے اپنے بیٹوں عون و محمد کو لے کر بھائی کے ساتھ میدان کربلا پہنچیں۔ حضرت زینبؓ نے سانحہ کربلا کو آنکھوں سے دیکھا اور روح و نظر سے محسوس کیا تھا۔ ان کی آنکھوں کے سامنے ان کے بچے، بھتیجے اور بے شمار جاں نثار شہید ہوئے لیکن اس سب کے باوجود حضرت زینب سلام اللہ علیھا نے جس حوصلے، شجاعت اور صبر واستقامت کا مظاہرہ کیا تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ

حضرت عبداللہ کریم النفس، فیاض، خوش طبع، خوش خلق، عفیف، پاک دامن اور سخی تھے نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا تھا کہ "عبداللہ خلقاً اور خُلقاً میرے مشابہ ہیں۔"
حضرت عبداللہؓ کی زندگی نبی کریم ﷺ کی اس بات کی عملی تصدیق تھی ان سے چند احادیث بھی مروی ہیں۔ جن میں سے دو متفق علیہ ہیں۔

نبی کریم ﷺ حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ سے بہت محبت فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ حضور ﷺ کا وہاں سے گزر ہوا۔ آپ ﷺ نے انھیں اٹھا کر اپنے ساتھ سواری پر بٹھالیا۔ جب حضرت زینب سلام اللہ علیھا کے ساتھ حضرت عبداللہؓ کا نکاح ہو گیا تو انھوں نے حضرت زینبؓ کو بہت عیش و آرام کی زندگی دی۔ آپس میں دونوں کی محبت مثالی تھی۔ حضرت عبداللہ اپنی بیوی کی بہت عزت کرتے تھے اور ہمیشہ ان کی پسند و ناپسند کو ملحوظ رکھتے تھے۔ حضرت زینبؓ حضرت علیؓ کے دور خلافت میں اپنے اہل خانہ کے ساتھ کوفہ منتقل ہو گئیں پھر جب حضرت علی المرتضیٰؓ کی شہادت ہوئی اور حضرت امام حسن و حسین رضی اللہ عنہم واپس مدینہ منورہ منتقل ہوئے تو حضرت عبداللہؓ اور حضرت زینبؓ بھی دوبارہ مدینہ منورہ آگئے۔ آپ کی فیاضی کی وجہ سے آپ کو بحر الجود و سخا کہا جاتا تھا۔

حاصل کلام

حضرت زینبؓ نے اپنی زندگی کے مختلف مرحلوں میں بہت سے نشیب و فراز دیکھے۔ اپنے نانا کا زمانہ دیکھا بابا اور بھائیوں کے ساتھ اسلامی اصولوں کی رواداری میں زندگی گزاری۔ دین کی سربلندی کے لیے بھائیوں، بھتیجوں اور بیٹوں کی شہادت کا صدمہ برداشت کیا۔ اسلامی اصولوں کی برتری کے لیے ہر قربانی دی۔ آپؓ کا پورا وجود اور آپؓ کی پوری زندگی عشق حق اور عشق اسلام سے سرشار تھی۔ واقعہ کربلا کے عظیم مقصد کو دنیا کے سامنے بے نقاب کرنا انہی کا عظیم کارنامہ ہے۔ انھوں نے واقعہ کربلا میں اپنی بے مثال شرکت کے ذریعے معرکہ کربلا کے انقلاب کو رہتی دنیا کے لیے جاوداں اور زندہ مثال بنا دیا۔ وہ خدا کے ہر فیصلے پر راضی رہنے والی تھیں۔ اسلامی احکام کی سربلندی کے لیے سخت ترین حالات میں بھی سر تسلیم و رضا خم رکھنا حضرت علیؓ کی بیٹی کا سب سے بڑا امتیاز ہے۔ صبر، شجاعت اور فصاحت و بلاغت نے آپ کو انسانی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں بھرپور کامیابی عطا کی ہے۔

تصوف اور تعلیماتِ بابا فریدؒ

رابعہ فاطمہ

جیسے علماء اپنے علم کی روشنی سے ہمیں زندگی کو اسلام کے احکامات کے مطابق گزارنے کے گر سکھاتے ہیں ایسے ہی صوفیاء اپنے روحانی فیوض و برکات کے نور سے ہمارے قلب و باطن کو منور فرماتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام آقا کریم ﷺ کی بارگاہ میں چند سوالات لے کر آئے ان میں سے ایک سوال تھا کہ یا رسول اللہ ﷺ احسان کیا ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔ اگر یہ درجہ حاصل نہ ہو تو پھر یہ تو سمجھو کہ اللہ تمھیں دیکھ رہا ہے۔

اسلام میں اسی احسان کو تصوف سمجھا جاتا ہے یعنی ظاہر و باطن میں اخلاص کا ہونا ہی احسان ہے۔ ''تصوف'' اصل میں بندے کے دل میں اخلاص و یقین پیدا کرتا ہے یہ دین سے الگ کوئی چیز نہیں بلکہ دین کی اصل ہے یعنی جس عبادت میں اخلاص نہ ہو گا وہ بے وقعت ہے۔ اخلاص سے تقویٰ، خوف خدا اور رب تعالیٰ کی محبت پیدا ہوتی ہے۔ خدا کی محبت ہی سے اللہ کی مخلوق کے حقوق ادا کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اللہ کی مخلوق سے بھلائی سے اللہ کا قرب نصیب ہوتا ہے۔ اسی لیے صوفیاء اکرام رب تعالیٰ کی خوشنودی کا راستہ چنتے ہیں۔ کیونکہ محبت الٰہی انسان کو نافرمانی و معصیت سے روکتی ہے اور خلق خدا سے محبت بندوں کے حقوق پامال کرنے سے منع کرتی ہے یعنی جو چیز انسان کو رب کا بندہ بنائے اور انسانیت کا خیر خواہ بنائے۔ اس کی اہمیت سے انکار ناممکن ہے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا:

''ہندوستان کے سات کروڑ مسلمانوں میں سے چھ کروڑ مسلمان یقیناً اہل تصوف کے فیوض و برکات کا نتیجہ ہیں۔''

حضور داتا گنج بخش علی ہجویریؒ کشف المحجوب میں فرماتے ہیں تصوف کی بنیادی خصوصیات آٹھ ہیں:

۱۔ سخاوت، ۲۔ رضا، ۳۔ صبر، ۴۔ اشارہ، ۵۔ غربت، ۶۔ گدڑی، ۷۔ سیاحت، ۸۔ فقر

اور یہ آٹھوں خصلتیں آٹھ انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہیں۔

☆ سخاوت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کہ انھوں نے راہ خدا میں اپنا بیٹا قربان کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا۔

☆ رضا، حضرت اسماعیل علیہ السلام کی کہ انھوں نے رب کی رضا کے لیے خود کو قربان کرنے کے لیے پیش کر دیا۔

☆ صبر۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی کہ بے انتہاء مصائب و آلام میں بھی صبر کو نہیں چھوڑا۔

☆ اشارہ۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی سنت ہے کہ انھوں نے تین دن تک لوگوں سے اشارے سے بات کی جب انھیں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کی بشارت دی گئی۔

☆ غربت۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی کہ انھوں نے اپنے ہی وطن میں مسافروں جیسی زندگی گزاری۔

☆ گدڑی۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی سنت ہے کہ انھوں نے ہی سب سے پہلے پشمینی لباس پہنا۔

☆ سیاحت۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سنت ہے کہ انھوں نے تنہا زندگی گزاری۔

☆ فقر۔ آقا کریم علیہ السلام کی سنت مبارکہ ہے کہ انھوں نے کل کائنات کے خزانوں کے مالک ہونے کے باوجود رب العالمین سے دعا فرمائی اے اللہ! میری خواہش یہ ہے کہ ایک روز شکم سیر ہوں تو دو روز فاقہ کروں۔

برصغیر پاک و ہند میں بے شمار صوفیاء، اولیاء اور بندگان خدا ہوئے ہیں لیکن ان میں سے جو رتبہ اور مقام حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کو ملا ہے وہ بہت کم بندوں کو ملتا ہے۔ ان میں تصوف کی ساری خصوصیات پائی جاتی تھیں۔

حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے فرمایا ہے کہ بابا صاحب نے تصوف کو ایک عوامی تحریک بنا دیا تھا اس میں ہر قسم کے لوگوں کو داخل کر لیا تھا تاکہ ان کے اندر روحانی شعور پیدا کیا جا سکے۔ دور و نزدیک سے بے شمار لوگ ان کے ارد گرد جمع ہوتے اور سلسلہ چشتیہ کی اخلاقی اور روحانی تعلیم حاصل کرتے۔

حضرت بابا فریدؒ اپنے مریدوں کی اخلاقی تربیت پر زور دیتے اور باطن کی پاکیزگی کو نکھارنے کی تلقین فرماتے۔ خود بھی اس قدر احتیاط برتتے تھے کہ ایک مرتبہ خادم کھانے کے لیے ادھار نمک لایا آپؒ نے فرمایا درویش فاقے سے مر جاتے ہیں مگر لذتِ نفس کے لیے قرض نہیں لیتے۔

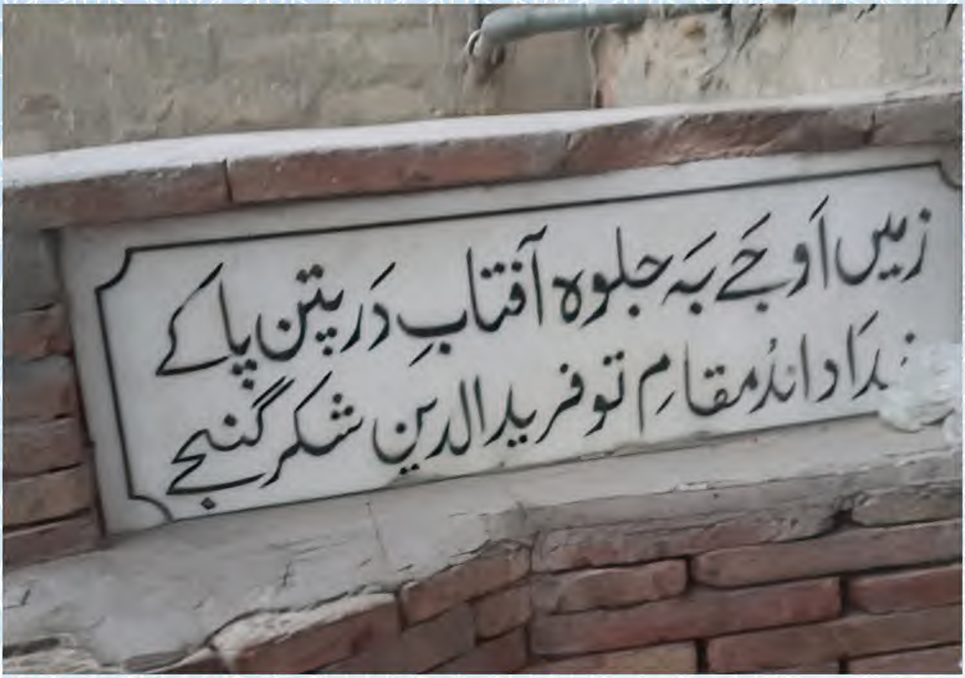

آپؒ اس قدر قناعت پسند تھے کہ اکثر روزہ سے ہوتے افطار کے وقت آپ کے سامنے ایک گلاس میں چند منقے ڈال کر شربت پیش کیا جاتا آپ آدھا لوگوں میں بانٹ دیتے اور آدھے گلاس سے روزہ افطار کرتے۔ بعض اوقات کوئی بطور تبرک آپ سے مانگ لیتا تو اسے دے دیتے بعد میں لوگوں کے لیے مختلف انواع کے کھانے لائے جاتے لیکن آپ دوسرے دن افطار تک کچھ نہ کھاتے۔ اللہ رب العزت نے آپ کو بچپن ہی سے نیک خصلت اور شرافت سے نوازا تھا۔ اپنی مشہوری کو ذرا بھی پسند نہ فرماتے۔ ایک مرتبہ سیستان کے ایک بزرگ حضرت شیخ اوحدالدین کرمانی کی خدمت میں موجود تھے انھوں نے آپ سے اپنی کرامت کا اظہار کرنے کو کہا فرمایا اپنی کرامت دکھائیں بابا فریدالدینؒ عرض کرنے لگے میں تو ایک طالب علم ہوں اور آپ جیسے بزرگوں سے کچھ سیکھنے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ یہ ان کی عاجزی تھی مگر جب شیخ کرمانی کا اصرار بڑھا تو آنکھیں بند کر لیں اور اللہ رب العالمین کی بارگاہ میں عرض گزار ہوئے:

اے اللہ تو تو جانتا ہے کہ میں ان صاحب کمال لوگوں میں بے کمال ہوں۔ اے اپنے بندوں کے عیب چھپانے والے میرے ظاہر اور باطن تجھ پر روشن ہے نہ تو میں کرامت دکھانے کے لائق ہوں نہ

ہی اسے دکھانا مناسب خیال کرتا ہوں۔ مجھ بے ہنر کو ان حضرات کے سامنے شرمندگی سے محفوظ رکھ۔ یہ تو اہل علم بھی ہیں اور اہل کمال بھی میں تو کچھ بھی نہیں۔ ابھی بابا فرید یہ مناجات کر ہی رہے تھے کہ تصورات کے پردے پر خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا رخ روشن نظر آگیا فرمایا فرید آزردہ کیوں ہوان بزرگوں سے کہو اپنی آنکھیں بند کرلیں پھر انہیں تمھاری کرامت نظر آئے گی۔

آپ نے آنکھیں کھولی تو شیخ کرمانی نے فرمایا فرید کیا ہوا خاموش کیوں ہو کیا اس منزل تک ابھی نہیں پہنچے کہ کوئی کرامت دیکھا سکو۔ آپؒ نے فرمایا منزل تو ابھی دور ہے آپ حضرات اپنی آنکھیں بند کر لیجئے وہاں بیٹھے سب بزرگوں نے آنکھیں بند کی تو خود کو خانہ کعبہ کے سامنے موجود پایا بابا فرید بھی وہاں موجود ہیں۔ کچھ دیر بعد سب نے آنکھیں کھولیں تو اسی خانقاہ میں موجود تھے۔

آپؒ ہمیشہ اپنے خلفاء و مریدین کو پند و نصائح فرماتے رہتے آپ فرماتے تھے:

☆ روحانی ترقی، روح کی تہذیب و تربیت اور باطنی صفائی میں ہے نا کہ مشین کی طرح نمازوں کی ادائیگی میں اگر معرفت چاہیے تو نمازوں اور عبادات میں اخلاص کے ساتھ دل سے غصے اور حسد و نفرت کو مٹا دو۔

☆ جو بادشاہوں سے میل ملاپ رکھتا ہے معرفت اس کے پاس بھی نہیں پھٹکتی شاہوں کا منظور نظر ہونا اخلاقی حس کو کمزور کر دیتا ہے روح کی آزادی کو ختم کر دیتا ہے۔

☆ علم دین روحانی مجاہدہ کے لیے شرط اول ہے۔ صوفیاء کی زندگی کا مقصد فقط معرفت الٰہی ہوتا ہے۔ اس لیے وہ ایسے مسالک کی جستجو میں رہتے ہیں جو انہیں واصل باللہ کر سکے اس کا واحد ذریعہ قلب ہوتا ہے جس کے ذریعے محدود لامحدود سے ہم آہنگ ہو سکے۔ اس کی مدد سے سلوک کے تمام مقامات طے ہو سکتے ہیں اور پیغامات الٰہی کو اخذ کرنے کی استعداد عبادت و ریاضت سے پیدا کی جاسکتی ہے۔

برصغیر پاک و ہند کے جملہ مشائخ کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ ریاضت و مجاہدہ میں کوئی بزرگ بھی گنج شکرؒ پر سبقت نہیں لے جاسکے۔ بابا فریدؒ کی پوری زندگی عبادت، ریاضت، شب بیداری اور روزہ داری کی ایک طویل داستان ہے جس کا احاطہ بہت مشکل ہے اور ان کی زندگی کو اس ڈگر پر لانے والی ان کی والدہ بی بی قرسم خاتون رحمہا اللہ تھیں جن کی تربیت، عبادت اور دعاؤں کی بدولت بابا فرید مسعود سے بابا فرید الدین گنج شکرؒ بنے۔

ہمیں آج بھی ان کی والدہ جیسی نیک عبادت گزار اور خشیت الٰہی رکھنے والی ماؤں کی ضرورت ہے۔ اللہ کریم بابا فرید الدینؒ اور ان کی والدہ اور ان کے جملہ آل اولاد پر اپنا فضل اور کرم رکھے اور ان کے صدقے ہمیں اچھی مائیں بننے اور اپنی اولاد کی بہترین تربیت کرنے والی بنائے۔ آمین

استنبول میں صحابی رسول ﷺ کا مزار اسلام کی عظمت وحقانیت کا مظہر

ڈاکٹر انیلہ مبشر

حضرت ابو ایوب انصاریؓ اسلام کے وہ بطل جلیل ہیں جن کی تمام عمر سرورِ کونین حضرت محمد ﷺ کی والہانہ اطاعت اور اسلام کی تائید و نصرت میں گزری۔ انصار کے سابقون الاولون میں سے ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کو مدینہ میں فخر دو جہاں و سید البشر جناب محمد مصطفی ﷺ کی میز بانی کا شرف حاصل ہوا جو اس قدر باعث تکریم تھا کہ تمام صحابہ کرامؓ آپ پر رشک کرتے تھے۔ آپ آنحضرت ﷺ کے عہد حیات میں تمام غزوات میں والہانہ شوق سے شریک ہوئے اور تادم مرگ جہاد فی سبیل اللہ کے جذبے سے سرشار رہے۔

آنحضرت ﷺ کے عہد رسالت میں جزیرہ نما عرب کے لوگ غریب و مفلس اونٹ بان کہلاتے تھے۔ اس ریگستانی علاقے کے دونوں اطراف دنیا کی دو بڑی سیاسی طاقتیں یعنی ایران کی ساسانی اور روم کی باز نطینی سلطنتیں پوری آب وتاب اور جاہ وجلال کے ساتھ موجود تھیں۔ ان میں سلطنت رومہ دو خود مختار مملکتوں پر مشتمل تھی۔ ایک کا پایہ تخت رومہ تھا تو دوسرے کا قسطنطنیہ (موجودہ ترکی کا شہر استنبول) قسطنطنیہ رومیوں کے مشرقی علاقہ جات کا دارالحکومت تھا جو اپنی مضبوط بلند و بالا فصیلوں اور قلعہ نما شہر پناہ کی وجہ سے دنیا بھر میں ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا۔ عسکری، سیاسی اور مذہبی اہمیت کا

حامل یہ شہر عیسائی دنیا کے لیے بے حد فخر و غرور کا باعث تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں ایک حدیث کے ذریعے یہ نشاندہی فرمادی تھی جو مسلمان تسخیر قسطنطنیہ کی مہم میں شرکت کرے گا اس کے لیے جنت کی بشارت ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کے اس فرمان کے پیش نظر تسخیر قسطنطنیہ مسلمانوں کے ایمان کا جزو قرار پائی۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت سے اسلامی فتوحات کا لا متناہی سلسلہ شروع ہوگیا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت ابو عبید بن الجراحؓ کے عساکر نے اخبادین، دمشق اور حمص کے علاقے رومیوں سے چھین لیے۔ 15 ہجری میں جنگ یرموک نے شام کی قسمت کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں کرتے ہوئے رومیوں کو یہاں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بے دخل کر دیا۔ یہاں تک کہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت 16 ہجری میں بیت المقدس بھی فتح ہوگیا۔ فتوحات کا یہ سلسلہ مسلمانوں کو قسطنطنیہ کے شہر تک لے آیا۔ حضرت امیر معاویہ نے اپنے عہد حکومت میں قسطنطنیہ کی طرف مہمات بھیجنے کی ابتدا کی۔

حضرت امیر معاویہ نے 52 ہجری میں قسطنطنیہ کی تسخیر کے لیے ایک لشکر روانہ کیا۔ اسلامی لشکر میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت

عبداللہ بن زبیرؓ جیسے جلیل القدر صحابہ شامل تھے۔ان صحابہ اور صحابہ زادوں کی شرکت جہاد قسطنطنیہ کا مقصد دراصل خود کو رسول اللہ ﷺ کی بشارت جنت کا مستحق قرار دلوانا تھا۔اس وقت حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی عمر 80 سال سے تجاوز کر چکی تھی مگر اس ضعیف العمری کے باوجود آپ نے قسطنطنیہ تک کا طویل سفر طے کیا۔ یہاں تک کہ معرکہ کارزار میں رومیوں سے دست بدست جنگ کی۔رومی مسلم سپاہ کی بے جگری سے پسپا ہو کر شہر میں واپس چلے گئے اور فصیل شہر کے دروازے بند کر لیے۔ مسلمان شہر کا محاصرہ کیے ہوئے تھے اور کھلے آسمان تلے طویل قیام پر مجبور تھے۔یورپ کی آب و ہوا مسلمانوں کے لیے موزوں نہ تھی جس سے بہت سے صحابہ کے ساتھ حضرت ابو ایوب انصاریؓ بھی سخت بیمار پڑ گئے۔آپ نے بیماری کی حالت میں وصیت کی کہ میرا جنازہ سرزمین عدو میں جہاں تک لے جاسکو لے جا کر دفن کرنا۔ چنانچہ آپ کو فصیل شہر کے عین نیچے دفنایا گیا اور زمین کی سطح کو ہموار کر دیا گیا تاکہ قبر کی بے حرمتی نہ ہو۔آپ کی وفات کے بعد مسلمانوں نے محاصرہ ختم کر دیا۔ مسلمان قسطنطنیہ پر آٹھ بار حملہ آور ہوئے مگر مقصد میں کامیابی حاصل نہ ہوئی۔

فتح قسطنطنیہ کی سعادت اللہ تعالیٰ نے تقریباً آٹھ سو سال بعد عثمانی سلطان محمد فاتح دوئم کی قسمت میں لکھ رکھی تھی۔ سلطان محمد فاتح دوئم نے قسطنطنیہ 54 دن کے سخت محاصرے کے بعد 20 جمادی الاول 857ھ بمطابق 29 مئی 1553ء کو فتح کیا۔اس کے بعد آنحضرت ﷺ کی وہ پیشین گوئی پوری ہو گئی جس میں آپ نے فرمایا کہ تھا کہ ”اللہ نے مجھے قیصر و کسریٰ کی حکومتوں کی کنجیاں دے دی ہیں۔“ فتح قسطنطنیہ سے عیسائی دنیا ششدر رہ گئی۔

یہاں بازنطینی سلطنت کی سب سے بڑی عبادت گاہ آیا صوفیا موجود تھی۔عیسائیوں کے اس عظیم الشان کینسہ کی سیاسی اور مذہبی اہمیت کے پیش نظر سلطان محمد الفاتح نے اس کی تزئین و آرائش کو نقصان پہنچائے بغیر مسجد میں تبدیل کر دیا۔ آیا صوفیا کے صدر دروازے پر آنحضرت ﷺ کی وہ حدیث کنداں کروائی کہ قسطنطنیہ پر حملہ کرنے والوں کو جنت کی بشارت ہے۔

اس فتح عظیم کے چند روز بعد سلطان محمد الفاتح نے ترک عالم شیخ العصر شیخ شمس الدین سے حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی تربتِ پاک کی تلاش کی درخواست کی۔ شیخ شمس الدین نے مراقبہ کیا تو فصیل کے باہر ایک جگہ نور دکھا جو زمین سے آسمان تک جا رہا تھا۔آپ نے سلطان کو اس جگہ کی نشاندہی کی۔ کھدائی کی گئی تو آپ کی قبر کا نشان مل گیا۔ یہاں سے سنگ مرمر کا کتبہ نکلا جس کو پڑھنے سے اندازہ ہوا یہی حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی قبر ہے۔سنگ مرمر کا یہ پتھر آپ کی تربت سے باہر دیوار پر ابھی بھی نصب ہے۔ سلطان نے اس جائے لحد پر ایک عظیم الشان گنبد اور اس سے ملحقہ جامع مسجد تعمیر کروائی۔ مسجد

مکمل ہوئی تو نماز کی ادائیگی کے بعد شیخ شمس الدین نے سلطان محمد الفاتح کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے تلوار سے نوازا اور دعائے خیر و برکت کی۔ سلطان نے عزت و افتخار کے خیال سے اس تاریخی تلوار کو جامع ایوب میں رکھوا دیا۔ چنانچہ اس کے بعد آنے والے تمام عثمانی سلاطین کی رسم تاج پوشی مسجد ابوایوب انصاریؓ میں ادا ہوئی تھی۔ امام مسجد تاریخی تلوار کو سلطان کی کمر سے باندھ کر اس کی تخت نشینی کا اعلان کرتا۔ یہ ترکوں کی صحابی رسول سے روحانی وابستگی کا اظہار تھا۔

فخر دو جہاں کی میزبانی کا شرف پانے والے جید صحابی جو مدینہ کے باسی تھے مگر قسطنطنیہ موجودہ ترکی میں خاک نشین ہوئے، حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مزار کو ترکی میں ایک درگاہ کی حیثیت حاصل ہے۔ یہ درگاہ گولڈن ہارون (Golden Horn) یا شاخ زریں کے بائیں کنارہ پر واقع ہے۔ مزار مبارک کی عمارت نہایت رفیع الشان ہے۔ پاکیزہ خطاطی کے نمونے مزار کے تقدس میں اضافہ کرتے ہیں۔ جامع ایوب کبوتروں کی آماجگاہ ہے یہاں ہر وقت زائرین کا ہجوم رہتا ہے۔ ترک اس مقام کو بہت مقدس خیال کرتے ہیں اور حج پر روانگی سے پہلے مسجد و مزار ایوبؓ کی زیارت کرتے ہیں۔ نئے شادی شدہ جوڑے یہاں اپنی مرادیں پوری ہونے کی دعا کرتے ہیں۔ نماز جمعہ کے لیے ترک جوق در جوق یہاں پہنچتے ہیں۔ بہت سے لوگ صحابی رسول ﷺ کی آخری آرام گاہ کے قریب دفن ہونا پسند کرتے ہیں۔ اس لیے جامع ایوبؓ کے ارد گرد ایک بڑا قبرستان بھی بن گیا ہے۔ ترکوں کے نزدیک مکہ، مدینہ اور یروشلم کے بعد مزار ابوایوب انصاریؓ تقدس کے اعتبار سے بلند ترین مقام ہے۔ جس کی بے حد تعظیم کی جاتی ہے۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوایوب انصاریؓ نے مدینہ میں یہود اور منافقین کی سازشوں کے پیش نظر رات بھر جاگ کر پہرہ دیا۔ آنحضرت ﷺ نے آپؓ کے حق میں دعا فرمائی کہ اے ابو ایوبؓ اللہ تمھیں اپنے حفظ و امان میں رکھے کہ تم نے اس کے نبی کی نگہبانی کی۔ یہ حضور ﷺ کی دعا ہی کا اثر تھا کہ حضرت ابوایوب انصاریؓ زندگی بھر مصائب و آلام سے محفوظ رہے اور وفات کے بعد بھی دشمن دین کی سرحد کے قریب ہونے کے باوجود آپ کی قبر کی حفاظت رہی اور یہاں تک کہ آج ترکی کی حکومت آپ کی قبر کی نگران ہے اور اسے ترکی میں مقدس ترین مقام تصور کیا جاتا ہے۔ یقیناً آپ کا شمار ان ہستیوں میں ہوتا ہے جن کے ایثار و تعاون سے الہامی ہدایت کی حقانیت و عظمت کے نقوش آج بھی لوح حیات پر کندہ ہیں۔

ٹائم مینجمنٹ

سمیہ اسلام

ٹائم مینجمنٹ ایک ایسا عمل ہے جس کے تحت آپ وقت کا استعمال صحیح طریقہ کار کے تحت کرپاتے ہیں اور وقت کی بہتر منصوبہ بندی کے ذریعے ہی آپ جان پاتے ہیں کہ دن بھر میں کس سرگرمی پر آپ نے کتنا وقت صرف کرنا ہے؟

بہتر ٹائم مینجمنٹ آپ کو کم وقت میں زیادہ کام مکمل کرنے کے قابل بناتی ہے اور ساتھ ہی زندگی سے تناؤ کم کرتے ہوئے کیریئر کی کامیابی کا باعث بن سکتی ہے۔ ٹائم مینجمنٹ آپ کو روزمرہ زندگی گزارنے کے لیے اضافی وقت فراہم کرتی ہے جسے آپ اپنے پسندیدہ مشغلوں اور اہم کاموں میں صرف کر سکتے ہیں۔ ایسے افراد جو اپنے وقت کو بہترین طریقے سے مینیج کر لیتے ہیں وہ زندگی کے لیے تعین کردہ اہداف کو کم عرصے میں ہی حاصل کر لیتے ہیں۔

ٹائم مینجمنٹ کے اصول

ٹائم مینجمنٹ سے حاصل ہونے والے فوائد جاننے کے بعد ضروری ہے کہ ان اصولوں پر بھی بات کی جائے جن کو اپنی زندگی کا حصہ بنا کر زیادہ سے زیادہ کامیابیاں حاصل کی جاسکیں۔

صحیح اہداف کا تعین

زندگی میں قابل حصول اور قابل پیمائش اہداف کا تعین کریں جس کے لیے اسمارٹ طریقہ کار اپنائیں۔ مثلاً اس بات کو یقینی بنائیں کہ جن اہداف کا تعین آپ کر رہے ہیں وہ خاص ہونے کے ساتھ ساتھ قابل پیمائش، قابل حصول باموقع اور جدید بھی ہیں۔

عقلمندانہ ترجیحات

روزمرہ کیے جانے والے کاموں کو اہمیت اور عجلت کی بنیاد پر ترجیح دیں مثلاً روزمرہ کاموں پر غور کریں اور دیکھیں کہ اہم اور ضروری کام کون سا ہے: انہیں فوری کرنا ہے؟، اہم لیکن فوری ضروری نہیں: انہیں کب کرنا ہے؟، اشد ضروری لیکن غیر اہم: اگر ممکن ہو تو سرانجام دیں، غیر ضروری اور غیر اہم: بعد میں کرنے کے لیے ان کو ایک طرف رکھ دیں۔

وقت مقرر کریں

کسی بھی کام کے لیے وقت کا تقرر آپ کو زیادہ مؤثر اور زیادہ توجہ کے قابل بناتا ہے۔ کس کام کے لیے آپ کو کتنا وقت درکار ہوگا یہ چھوٹی سی اضافی کوشش آپ کے لیے بہت سی امکانی مشکلات پیدا ہونے سے پہلے انہیں جاننے میں مددگار ثابت ہوگی۔ مختلف کاموں کے مابین وقفہ لیں۔ جب بہت سارے کام بغیر کسی وقفے کے ایک ساتھ انجام دیے جائیں تو انسان کے لیے توجہ مرکوز رکھنا خاصا مشکل ہو جاتا ہے، کاموں کے لیے درمیان مختصر سا وقفہ آپ کو فریش کرنے اور زیادہ توجہ مرکوز رکھنے کے قابل بنائے گا۔ مختصر ہی سہی نیپ ٹائمنگ پر غور کریں اس دوران واک کے لیے جائیں۔ اپنی ذات کو منظم کریں۔ بیڈروم کلینڈر کو طویل مدتی ٹائم مینجمنٹ کے طور پر استعمال کریں، کلینڈر پر ہر منصوبے کی تکمیل کے لیے ایک تاریخ منتخب کریں یا پھر مکمل منصوبوں کی آخری تاریخ کا انتخاب کریں۔ اس بارے میں سوچنا شروع کریں کہ مخصوص کاموں کی تکمیل کے لیے کون سا دن اور وقت مناسب ہے۔

انسان کو زندگی میں حاصل ہونے والی کوئی کامیابی وقت کی پابندی کے بغیر ممکن نہیں، اگر آپ اپنی زندگی میں امور کو کل کروں گا یا کروں گی پر ٹالنے والے شخص ہیں تو آپ کا طرز زندگی تبدیلی کا مطالبہ کر رہا ہے اور وہ تبدیلی ٹائم مینجمنٹ ہے۔ ٹائم مینجمنٹ ایسی تبدیلی ہے جو کسی زندگی میں آجائے تو اسے دیکھتے ہی دیکھتے کامیابی کی کئی منزلیں آرام سے طے کروا دیتی ہے۔

لوگوں کی اکثریت کو اندازہ ہی نہیں ہے کہ وقت کتنا قیمتی ہے۔ انھیں اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ زندگی ایک بار ملی ہے اور اس میں بھی آدھی زندگی گزرنے کے بعد جاکر شعور ملا اور یہ شعور ملنے کے بعد بھی یہ نہیں دیکھا کہ وقت کو کہاں استعمال کرنا ہے۔ انسان جس طرح پیسے کے متعلق سوچتا ہے کہ اسے کہاں خرچ کرنا ہے، اس کا بہتر استعمال کیسے کرنا ہے، اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ کیسے اٹھانا ہے، اسی طرح اسے چاہیے کہ وقت کی اہمیت کو بھی جانے۔ اگر ایک شخص ٹھان لے کہ اسے اپنا وقت قابو کرنا ہے اور اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا ہے تو وہ کم وقت میں زیادہ کام کرنے کا ہنر سیکھ سکتا ہے۔

ہر انسان کو برابر کا وقت ملتا ہے

قدرت ہر شخص کو دن بھر میں 1440 منٹ، ہفتے میں سات دن، مہینے میں تیس دن اور سال میں 365 دن دیتی ہے، یعنی ہر ایک کو برابر کا وقت ملتا ہے۔ لیکن ہر ایک کا استعمال مختلف ہوتا ہے۔ لوگوں کا ایک ایسا طبقہ ہے جو بہت مصروف ہوتا ہے۔ وہ بہت خوش قسمت لوگ ہوتے ہیں جو کہتے ہیں کہ وقت کم ہے اور کام زیادہ ہے۔ جبکہ دوسری طرف ایک ایسا طبقہ بھی ہے جس کا وقت گزرتا ہی نہیں۔ ایسے لوگ اپنا وقت ٹی وی دیکھ کر، سو کر، سوشل میڈیا پر یا آوارہ گردی میں گزار دیتے ہیں۔ جو شخص تنظیم وقت کرنا چاہتا ہے، وہ سب سے پہلے یہ دیکھے کہ مجھ سے اپنا وقت کیوں قابو نہیں ہو رہا۔ سب سے پہلے وہ اس کی فہرست بنائے۔ جب فہرست بنے گی تو بہت سے ایسے کام نکلیں گے جو اس کے وقت کے ضیاع کا باعث بن رہے ہوں گے۔

پرائم ٹائم

ہر شخص کے چوبیس گھنٹوں میں کچھ وقت اس کا ''پرائم ٹائم'' ہوتا ہے۔ پرائم ٹائم وہ وقت کہلاتا ہے کہ جب آدمی کم وقت میں زیادہ معیار اور زیادہ مقدار کا کام کرسکتا ہے۔ مختلف افراد کیلئے پرائم ٹائم مختلف ہوتا ہے۔ کئی لوگوں کیلئے صبح سویرے کا وقت بہتر ہوتا ہے تو بعض لوگوں کیلئے رات کا۔ تاہم، اسلامی فلسفے کے مطابق، کام کرنے کا بہترین وقت تہجد سے لے کر زوال تک کا وقت ہے۔ قرآن میں بھی ہے کہ ہم دن کو کام کرنے کیلئے اور رات کو آرام کیلئے بنایا ہے۔ اس حوالے سے دنیا کے کامیاب ترین اور امیر ترین افراد کی زندگی کا مطالعہ کیا گیا تو پتا چلا کہ وہ لوگ دیر سے سوتے ہیں اور جلد اٹھتے ہیں۔ امریکا میں کی گئی تحقیقات کے مطابق، عموماً دنیا کے امیر ترین افراد صبح تین سے چار بجے اٹھ جاتے ہیں اور پھر نہیں سوتے۔ بانظر غائر دیکھا جائے تو یہی فطری طریقہ ہے۔

بہر کیف، اپنے پرائم ٹائم کو جانچ کر اس کے مطابق اپنے کاموں کو ترتیب دیجیے۔ آپ کا جو بھی پرائم ٹائم ہے، اس میں وہ کام کیجیے جو آپ کی زیادہ توجہ مانگتے ہیں۔ اس کے بعد دوسرے کام جو نسبتاً کم توانائی اور توجہ کے طالب ہیں۔ اگر آپ پرائم ٹائم میں کم تر توجہ کا کام کریں گے تو باقی وقت میں زیادہ توجہ کا طالب کام کرنا پڑے گا۔ یوں، آپ کا وقت زیادہ لگے گا، مگر نتیجہ کم تر ہو گا۔

بڑی تعداد میں لوگ اپنی دفتری زندگی کو ہی اصل زندگی سمجھتے ہیں۔ اس کے برخلاف، ایسے لوگ بھی ہیں جو صرف اپنی ذاتی زندگی کو زندگی سمجھتے ہیں۔ کچھ لوگ اپنی فیملی کو ہی اصل زندگی سمجھتے ہیں۔ بعض لوگ اپنے دوستوں اور ملنے جلنے والوں کو اپنی زندگی کا اثاثہ سمجھتے ہیں۔ جو لوگ جس قسم کی زندگی کو اصل سمجھتے ہیں، وہ اپنے وقت کا زیادہ تر حصہ اس میں گزارتے ہیں۔

جو نوجوان تعلیم حاصل کر رہے ہیں، ان کی بہت بڑی تعداد یہ سمجھتی ہے کہ ہم جیسے ہی تعلیم سے فارغ ہوں گے، ہمیں فوراً جاب مل جائے گی، پھر ہمیں زیادہ وقت مل پائے گا۔ لیکن حقیقتاً ایسا نہیں ہوتا۔ جاب ملنے میں کچھ عرصہ لگتا ہے۔ ڈگری لینے کے بعد جو نوجوان جاب کا انتظار کرتے ہیں، ان میں نوے فیصد جاب ملنے تک فارغ رہتے ہیں، حالانکہ انھیں چاہیے کہ اس دوران وہ کوئی ایسا کام کریں جس میں بے شک تنخواہ کم ہو، معیار بھی وہ نہ ہو، مگر اس سے انھیں سیکھنے کو بہت کچھ ملے گا۔ انسان بنیاد کو نہیں دیکھتا، وہ بلندی کو دیکھتا ہے جبکہ بلندی کیلئے بنیاد کی مضبوطی ضروری ہے۔

ایک خاص روٹین کے ساتھ کام کرنے والوں کیلئے ٹائم مینجمنٹ اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہوتا۔ وہ نو اور پانچ کے پھیرے میں رہتے ہیں۔ انھیں اپنے وقت کو ترتیب اور تنظیم کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ واضح رہے، ٹائم مینجمنٹ اُن افراد کا مسئلہ ہے جو وقت کی کمی کا احساس رکھتے ہیں، جو اپنی ایک زندگی میں بہت کچھ کرنا چاہتے ہیں، جو اپنے معمولی اوقات کو غیر معمولی نتائج میں بدلنے کیلئے پاگل

ہوئے جاتے ہیں۔ جو اپنے اندر سوئے جن کو جگا چکے ہیں اور اب اس جن سے کام لینا چاہتے ہیں۔ جب یہ کیفیت ہو جاتی ہے تو پھر کام زیادہ ہوتا ہے اور وقت بہت کم۔

جو لوگ سیکھنے کا شوق رکھتے ہیں اور اپنے اندر تبدیلی کی لچک پیدا کر لیتے ہیں، ان کی ٹائم مینجمنٹ اچھی ہوتی ہے۔ بد قسمتی سے بہ حیثیتِ قوم، ہم سیکھنے کو اہم نہیں سمجھتے۔ سیکھنے کیلئے کتاب کا مطالعہ اور حالات کا مشاہدہ اہم ذرائع ہیں۔ دنیا کے ذہین لوگ اپنی زندگی کی بد قسمتی اور خوش قسمتی کو معنی دیتے ہیں۔ جن لوگوں کی زبانوں پر ہر وقت گلہ شکوہ اور پچھتاوا رہتا ہے، یہ اس بات کی نشانی ہوتی ہے کہ وقت کا استعمال صحیح نہیں ہوا۔ مجھے ایک یونانی کہانی یاد آگئی جس میں ہے کہ ایک شخص جب مرنے لگا تو اس کے سامنے تین لوگ آگئے اور چیخ چیخ کر کہنے لگے کہ تم ہمارے مجرم ہو۔ مرنے والے نے کہا، تم کون ہو، میں تمہیں نہیں جانتا۔ ان تینوں نے جواب دینا شروع کیا۔ ان میں سے پہلے نے کہا، میں وہ وقت ہوں جو تمہیں ملا تھا لیکن تم نے مجھے ضائع کر دیا۔ دوسرے نے کہا، میں وہ توانائی ہوں جو تمہیں ملی تھی لیکن تم نے مجھے ضائع کر دیا۔ تیسرے نے کہا، ہم وہ ذرائع ہیں جو مالک نے بہانے بہانے سے تمہیں دیئے مگر تم نے ہمیں ضائع کیا۔ حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ مرنے کے بعد انسان سے دنیا کے بارے میں پانچ سوال کیے جائیں گے۔ ان میں سے ایک سوال یہ ہوگا کہ اپنے وقت کو کیسے استعمال کیا۔ انسان جب اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے مواقعوں کو ضائع کرتا ہے تو پھر یہی مواقع اس کے آخری وقت پر عذاب کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ لہٰذا، وقت کو درست طریقے سے استعمال کرنا بہت ضروری ہے اور اس کیلئے ٹائم مینجمنٹ کی مہارت کا سیکھنا لازمی ہے۔

ترقی یافتہ ممالک کے لوگ اپنی چھٹی کو بھی پلان کرتے ہیں جبکہ ہم چھٹی والے دن لمبی تان کر سو جاتے ہیں اور پھر پورا دن برباد ہو جاتا ہے۔ یاد رکھیے، زندگی میں قانونِ قدرت کے تحت "چھٹی" کبھی نہیں ہے، صرف کاموں کی تبدیلی ہے۔ یہ زندگی اللہ تعالیٰ کا تحفہ ہے۔ اسے ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ اس کا درست استعمال کرنا چاہیے۔ وقت اللہ تعالیٰ کا تحفہ اور انعام ہے۔ اس کو صحیح طریقے سے مینج کرنا چاہیے تاکہ زندگی میں آسانی پیدا ہو۔

اگر سیکھنے کی جستجو ہے تو انسان کی شخصیت تروتازہ ہے۔ اگر سیکھنے کی جستجو ہے تو انسان کی شخصیت میں چمک ہے۔ سیکھنے والا ہر وقت کھوج اور تلاش میں رہتا ہے۔ ایک تحقیق کے مطابق جن لوگوں کو سیکھنے کا شوق ہوتا ہے، ان کی عمر لمبی ہوتی ہے۔ جب انسان یہ کہتا ہے کہ سب کچھ ختم ہو گیا تو پھر اس کا مطلب ہوتا ہے کہ اب اس کا جینے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ مارٹن لوتھر کنگ کہتا ہے کہ اگر آدمی نے کچھ کر کے دکھانا ہو تو اس کیلئے ایک زندگی کافی ہے، وگرنہ پانچ سو زندگیاں بھی مل جائیں تو وہ کچھ کر کے نہیں دکھا سکے گا۔

محرم الحرام کی فضیلت واہمیت

مرتب: نازیہ عبد الستار

القرآن

حرمت والے مہینے کے بدلے حرمت والا مہینہ ہے اور (دیگر) حرمت والی چیزیں ایک دوسرے کا بدل ہیں، پس اگر تم پر کوئی زیادتی کرے تم بھی اس پر زیادتی کرو مگر اسی قدر جتنی اس نے تم پر کی اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ ڈرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (البقرۃ، 2: 194)

لوگ آپ سے حرمت والے مہینے میں جنگ کا حکم دریافت کرتے ہیں، فرمادیں اس میں جنگ بڑا گناہ ہے اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اس سے کفر کرنا اور مسجدِ حرام (خانہ کعبہ) سے روکنا اور وہاں کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک (اس سے بھی) بڑا گناہ ہے، اور یہ فتنہ انگیزی قتل و خون سے بھی بڑھ کر ہے۔ (البقرۃ، 2: 217)

اے ایمان والو! اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو اور نہ حرمت (وادب) والے مہینے کی (یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب میں سے کسی ماہ کی) اور نہ حرم کعبہ کو بھیجے ہوئے قربانی کے جانوروں کی اور نہ مکّہ لائے جانے والے ان جانوروں کی جن کے گلے میں علامتی پٹے ہوں اور نہ حرمت والے گھر (یعنی خانہ کعبہ) کا قصد کرکے آنے والوں (کے جان و مال اور عزت وآبرو) کی (بے حرمتی کرو کیوں کہ یہ وہ لوگ ہیں) جو اپنے رب کا فضل اور رضا تلاش کررہے ہیں۔ (المائدۃ، 5: 2)

اللہ نے عزت (وادب) والے گھر کعبہ کو لوگوں کے (دینی و دنیوی امور میں) قیام (امن) کا باعث بنا دیا ہے اور حرمت والے مہینے کو اور کعبہ کی قربانی کو اور گلے میں علامتی پٹے والے جانوروں کو بھی (جو حرمِ مکہ میں لائے گئے ہوں سب کو اسی نسبت سے عزت و احترام عطا کر دیا گیا ہے)، یہ اس لیے کہ تمہیں علم ہو جائے کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ خوب جانتا ہے اور اللہ ہر چیز سے بہت واقف ہے۔

(المائدۃ، 5: 97)

بے شک اللہ کے نزدیک مہینوں کی گنتی اللہ کی کتاب (یعنی نوشتۂ قدرت) میں بارہ مہینے (لکھی) ہے جس دن سے اس نے آسمانوں اور زمین (کے نظام) کو پیدا فرمایا تھا ان میں سے چار مہینے (رجب، ذو القعدہ، ذوالحجہ اور محرم) حرمت والے ہیں۔

(التوبۃ، 9: 36)

الحدیث

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودیوں کو یوم عاشورہ کا روزہ رکھتے پایا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے پوچھا: یہ کون سا (خاص) دن ہے جس کا تم روزہ رکھتے ہو؟ اُنہوں نے کہا: یہ بہت عظیم دن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اِس میں موسیٰ علیہ السلام اور اُن کی قوم کو نجات عطا کی جب کہ فرعون اور اُس کی قوم کو غرق کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شکرانے کے طور پر اُس دن کا روزہ رکھا، لہٰذا ہم بھی روزہ رکھتے ہیں۔ اِس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہاری نسبت ہم موسیٰ کے زیادہ حق دار اور قریبی ہیں۔ پس اُس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود بھی روزہ رکھا اور (صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی) اُس دن کا روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔

أخرجه البخاري في الصحيح، كتاب الأنبياء، باب قول الله تعالى: وهل أتاك حديث موسى، 3: 1244، الرقم: 3216، ومسلم في الصحيح، كتاب الصيام، باب صوم يوم عاشوراء، 2: 796، الرقم: 1130(2)، وابن ماجه في السنن، كتاب الصيام، باب صيام يوم عاشوراء، 1: 552، الرقم: 1734، وأحمد بن حنبل في المسند، 1: 336، الرقم: 3112

یہ حدیث متفق علیہ ہے اور مذکورہ الفاظ مسلم کے ہیں۔

حضرت (عبد اللہ) بن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ

تشریف لائے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ یہودی یوم عاشورہ کا روزہ رکھتے ہیں۔ پس ان سے اس کی بابت دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا: اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو فرعون پر غلبہ و نصرت عطا فرمائی تو ہم اِس عظیم کامیابی کی تعظیم و تکریم بجالانے کے لیے اِس دن روزہ رکھتے ہیں۔ اس پر حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ہم تم سے زیادہ موسیٰ کے حق دار ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے (خود بھی روزہ رکھا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی) روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

أخرجه البخاري في الصحيح، كتاب فضائل الصحابة، باب إتيان اليهود النبي ﷺ حين قدم المدينة، 3: 1434، الرقم: 3727، ومسلم في الصحيح، كتاب الصيام، باب صوم يوم عاشوراء، 2: 795، الرقم: 1130، وأبو داود في السنن، كتاب الصوم، باب في صوم يوم عاشوراء، 2: 326، الرقم: 2444، وابن ماجه في السنن، كتاب الصيام، باب صيام يوم عاشوراء، 1: 552، الرقم: 1734.

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ یہودی یوم عاشورہ (دس محرم) کا روزہ رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے اُن سے اُس دن روزہ رکھنے کا سبب دریافت فرمایا تو اُنہوں نے جواب دیا: یہ دن (ہمارے لیے) متبرک ہے۔ یہ وہ مبارک دن ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اُن کے دشمن (فرعون) سے نجات دلائی (یہ ہمارا یومِ آزادی اور یومِ نجات ہے)۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُس دن روزہ رکھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم سے زیادہ موسیٰ کا حق دار میں ہوں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس دن کا روزہ رکھا اور (صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی) اس دن روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔

أخرجه البخاري في الصحيح، كتاب الصوم، باب صيام يوم عاشوراء، 2: 704، الرقم: 1900، وأحمد بن حنبل في المسند، 1: 291، الرقم: 2644، وأبو يعلى في المسند، 4: 441، الرقم: 2567.

ایک اور روایت میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے عاشورہ کا روزہ رکھا اور اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا تو صحابہ کرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس دن کی تو یہود اور نصاریٰ تعظیم کرتے ہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب اگلا سال آئے گا تو ہم ان شاء اللہ نویں تاریخ کا بھی روزہ رکھیں گے۔ راوی کہتے ہیں کہ ابھی اگلا سال آنے نہ پایا تھا کہ رسول اللہ ﷺ وصال فرما گئے۔

اِسے امام مسلم اور ابو داود نے روایت کیا ہے۔

أخرجه مسلم في الصحيح، كتاب الصيام، باب أي يوم يصام في عاشوراء، 2: 797، الرقم: 1134، وأبو داود في السنن، كتاب الصوم، باب ما روي أن عاشوراء اليوم التاسع، 2: 327، الرقم: 2445، والبيهقي في السنن الكبرى، 4: 287، الرقم: 8184.

حضرت (عبد اللہ) بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو نہیں دیکھا کہ کسی دن کو دوسرے پر فضیلت دے کر روزہ رکھتے ہوں مگر اِس روز یعنی عاشورہ کو اور اس مہینہ یعنی ماہِ رمضان کو (ہمیشہ فضیلت دی)۔

أخرجه البخاري في الصحيح، كتاب الصوم، باب صيام يوم عاشوراء، 2: 705، الرقم: 1902، ومسلم في الصحيح، كتاب الصيام، باب صوم يوم عاشوراء، 2: 797، الرقم: 1132، وأحمد بن حنبل في المسند، 1: 222، الرقم: 1938، والنسائي في السنن، كتاب الصيام، باب صوم النبي ﷺ، 4: 204، الرقم: 2370، والحميدي في المسند، 1: 226، الرقم: 484.

یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

ایک روایت میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ ان چار اعمال کو کبھی ترک نہیں فرماتے تھے: دسویں محرم کے روزے، عشرہ ذوالحجہ کے روزے، ہر مہینہ کے تین روزے اور نمازِ فجر سے قبل دو رکعات۔

أخرجه أحمد بن حنبل في المسند، 6: 287، الرقم: 26502، والنسائي في السنن، كتاب الصيام، باب كيف يصوم ثلاثة أيام من كل شهر، 4: 220، الرقم: 2416، والطبراني في المعجم الكبير، 23: 205، الرقم: 354، وأيضًا في المعجم الأوسط، 8: 20، الرقم: 7831.

اِسے امام احمد بن حنبل، نسائی اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔

حضرت رُبَیّع بنت معوّذ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، انہوں نے بیان کیا: حضور نبی اکرم ﷺ نے عاشورہ کی ایک صبح کو انصار کے کسی گاؤں میں پیغام بھیجا کہ جس نے روزہ نہیں رکھا وہ اس دن کا بقیہ حصہ حالت روزہ میں گزارے۔ وہ باقی دن اس طرح پورا کرے اور جس نے روزہ رکھا ہوا ہے وہ روزے سے رہے۔ اس کے بعد ہم روزہ رکھتیں اور اپنے بچوں کو بھی روزہ رکھواتیں۔ ہم اُن کے لیے روئی کی ایک گڑیا بنا دیتیں۔ جب اُن میں سے کوئی بچہ کھانے کے لیے روتا تو ہم اُسے وہی (گڑیا دے) دیتے۔ (وہ اس گڑیا سے کھیلنے میں مشغول ہو جاتا) یہاں تک کہ افطار کا وقت ہو جاتا۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

أخرجه البخاري في الصحيح، كتاب الصوم، باب صوم الصبيان، 2: 692، الرقم: 1859، ومسلم في الصحيح، كتاب الصيام، باب من أكل في عاشوراء فليكف بقية يومه، 2: 798، الرقم: 1136، وابن خزيمة في الصحيح، 3: 288، الرقم: 2088، وابن حبان في الصحيح، 8: 385، الرقم: 3620.

ایک روایت میں حضرت اسماء بن حارثہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے

انہیں (ان کی قوم میں) بھیجا اور فرمایا: تم جا کر اپنی قوم کو اس (یومِ عاشور کے) روزے کا حکم دو۔ انہوں نے کہا (میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ!) اگر میں اُنہیں دیکھوں کہ وہ کھانا کھا چکے ہیں تو پھر آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ باقی دن کا روزہ مکمل کر لیں۔

اِسے امام احمد بن حنبل نے روایت کیا ہے۔ امام ہیثمی نے کہا ہے: اس کے رجال 'صحیح مسلم' کے رجال ہیں۔

أخرجه أحمد بن حنبل في المسند، 3: 484، الرقم: 16005، والطبراني في المعجم الكبير، 5: 274، الرقم: 5312، وأيضًا في المعجم الأوسط، 1: 186، الرقم: 589، وابن أبي عاصم في الآحاد والمثاني، 5: 318، الرقم: 2855، وابن حبان في الثقات، 4: 141، الرقم: 2188، والمقدسي في الأحاديث المختارة، 4: 231، الرقم: 1435، وذكره الهيثمي في مجمع الزوائد، 3: 185.

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں: اہلِ عرب رمضان کے روزے فرض ہونے سے قبل یومِ عاشور کا روزہ رکھتے تھے کیوں کہ اُس دن کعبہ پر غلاف چڑھایا جاتا تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزے فرض کر دیے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جو اِس دن روزہ رکھنا چاہے وہ روزہ رکھ لے، اور جو ترک کرنا چاہے وہ ترک کر دے۔

اِسے امام بخاری، طبرانی اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔

أخرجه البخاري في الصحيح، كتاب الحج، باب قول الله: جعل الله الكعبة البيت الحرام، 2: 578، الرقم: 1515، والطبراني في المعجم الأوسط، 7: 278، الرقم: 7495، والبيهقي في السنن الكبرى، 5: 159، الرقم 9513.

حافظ ابن حجر عسقلانی نے (اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے) فرمایا ہے: اِس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت سے ہی وہ کعبہ پر غلاف چڑھا کر اُس کی تعظیم کرتے اور اُس کی دیکھ بھال کرتے تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی ایک اور مقام پر (قریش کے اس دن روزہ رکھنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے) کہتے ہیں: یومِ عاشور کو قریش کا روزہ رکھنے کا سبب یہ تھا کہ شاید اُنہوں نے گزشتہ شریعت سے اس کو پایا ہو، اور اِسی لیے وہ اس دن کی تعظیم کعبہ پر غلاف چڑھا کر کیا کرتے تھے۔ (العسقلاني في فتح الباري، 3: 455)، (العسقلاني في فتح الباري، 4: 246)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یوم عاشورہ کو یہود یومِ عید شمار کرتے تھے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے (مسلمانوں کو حکم دیتے ہوئے) فرمایا: تم ضرور اس دن روزہ رکھا کرو۔ اِسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

أخرجه البخاري في الصحيح، كتاب الصوم، باب صيام يوم عاشوراء، 2: 704705، الرقم: 1901.

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یہود یوم عاشورہ کی تعظیم کرتے اور اُسے عید کے طور پر مناتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے (مسلمانوں کو) فرمایا کہ تم بھی اِس دن روزہ رکھو۔ اِسے امام مسلم، نسائی اور طحاوی نے روایت کیا ہے۔

أخرجه مسلم في الصحيح، كتاب الصيام، باب صيام يوم عاشوراء، 2: 796، الرقم: 1131(1)، والنسائي في السنن الكبرى، 2: 159، الرقم: 2848، والطحاوي في شرح معاني الآثار، 2: 133، الرقم: 3217، والبيهقي في السنن الكبرى، 4: 289، الرقم: 8197.

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اہلِ خیبر یوم عاشور کا روزہ رکھتے اور اُسے عید کے طور پر مناتے تھے۔ اُس دن وہ اپنی عورتوں کو خوب زیورات پہناتے اور اُن کا بناؤ سنگھار کرتے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے (مسلمانوں سے) فرمایا: تم بھی اُس دن روزہ رکھا کرو۔ اِسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

أخرجه مسلم في الصحيح، كتاب الصيام، باب صيام يوم عاشوراء، 2: 796، الرقم: 1131.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک شخص نے حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا: (یا رسول اللہ!) رمضان کے بعد کون سے مہینے کے روزے افضل ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا وہ مہینہ جسے تم محرم کہتے ہو۔

اِسے امام احمد بن حنبل نے، نسائی نے 'السنن الکبریٰ' میں اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

أخرجه أحمد بن حنبل في المسند، 2: 303، الرقم: 8013، وابن ماجه في السنن، كتاب الصيام، باب صيام أشهر الحرم، 1: 554، الرقم: 1742، والنسائي في السنن الكبرى، 2: 171، الرقم: 2904، والدارمي في السنن، 2: 35، الرقم: 1757.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: عاشورہ کے دن انبیاء روزہ رکھا کرتے تھے، تم بھی اس دن روزہ رکھا کرو۔

اسے امام ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔ علامہ عینی نے کہا ہے کہ اس کی سند عمدہ ہے۔ أخرجه ابن أبي شيبة في المصنف، 2: 311، الرقم: 9355، وذكره العيني في عمدة القاري، 11: 118.

عاشورہ کے روزے کا ثواب

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے عاشورہ کے روزے کے متعلق پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ روزہ گزشتہ سال (کے گناہوں اور کوتاہیوں) کا کفارہ کرتا ہے۔

اِسے امام مسلم، احمد، ابو داود اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔

أخرجه مسلم في الصحيح، كتاب الصيام، باب استحباب صيام ثلاثة أيام من كل شهر وصوم يوم عرفة وعاشوراء، والاثنين والخميس 2: 819، الرقم: 1162، وأحمد بن حنبل في المسند، 5: 308، الرقم: 22674، وأبو داود في السنن، كتاب الصيام، باب في صوم الدهر تطوعا، 2: 321، الرقم: 2425، والترمذي في السنن، كتاب الصوم، باب ما جاء في الحث صوم يوم عاشوراء، 3: 126، الرقم: 752، وابن ماجه في السنن، كتاب الصيام، باب صيام يوم عاشوراء، 1: 553، الرقم: 1738، والنسائي في السنن الكبرىٰ، 2: 150، الرقم: 2796.

ایک روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک شخص حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ! اس مہینے کے بارے میں بتایئے جس میں، رمضان کے بعد میں روزے رکھوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تو رمضان کے بعد کسی مہینے کے روزے

رکھنا چاہتا ہے تو محرم کے روزے رکھ۔ بے شک یہ اللہ کا مہینہ ہے، اس میں ایک دن ایسا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کی توبہ قبول کی اور دوسروں کی توبہ بھی قبول کی جائے گی۔

اِسے امام احمد، ترمذی، ابن ابی شیبہ اور ابو یعلی نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

أخرجه أحمد بن حنبل في المسند، 1: 155، الرقم: 1334، والترمذي في السنن، كتاب الصوم، باب ما جاء في صوم المحرم، 3: 117، الرقم: 741، وابن أبي شيبة في المصنف، 2: 300، الرقم: 9223، وأبو يعلى في المسند، 1: 337، الرقم: 426-427، والبيهقي في شعب الإيمان، 3: 360، الرقم: 3775.

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص یوم عرفہ کا روزہ رکھتا ہے وہ اس کے لیے دو سال کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے اور جو شخص محرم کے ایک دن کا روزہ رکھتا ہے اسے ہر ایک دن کے بدلے تیس دنوں (کے روزوں) کا ثواب ملتا ہے۔

اسے امام طبرانی نے محفوظ سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔

أخرجه الطبراني في المعجم الصغير، 2: 164، الرقم: 963، وأيضًا في المعجم الكبير، 11: 72، الرقم: 11081، وذكره المنذري في الترغيب والترهيب، 2: 70، الرقم: 1529، والهيثمي في مجمع الزوائد، 3: 190

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جس شخص نے عاشوراء کا روزہ رکھا اس نے گویا پورے سال کا روزہ رکھا اور جس نے اس دن صدقہ کیا تو یہ صدقہ پورے سال کے صدقہ کرنے کی طرح ہو گا۔

اسے علامہ ابن رجب الحنبلی نے ذکر کیا ہے۔

ذكره ابن رجب الحنبلي في لطائف المعارف: 112.

(ماخوذ از کتاب غایتہ الانعام فی بعض زمن الشھور واللیالی والایام)

فقہی مسائل

دعائیں قبول کیوں نہیں ہوتیں؟

دارالافتاء تحریک منہاج القرآن

سوال: اذان سے پہلے درود کیوں پڑھا جاتا ہے؟ جبکہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ اذان کا جواب دو پھر مجھ پر درود پڑھو اور پھر میرے لئے وسیلے کی دعا مانگو (اذان کی دعا) اور جو یہ سب کرے گا اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو گی۔

جواب: قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”بے شک اللہ اور اس کے (سب) فرشتے نبیِ (مکرّم ﷺ) پر درود بھیجتے رہتے ہیں، اے ایمان والو! تم (بھی) اُن پر درود بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو۔“ (اُلاحزاب، 33: 56)

اس حکم باری تعالیٰ میں نبی کریم ﷺ پر درود و سلام بھیجنے کے لیے وقت کی کوئی قید نہیں ہے اور نہ ہی اذان سے پہلے درود و سلام پڑھنے کی قرآن و حدیث میں کہیں ممانعت آئی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

”جب تم مؤذن سے اذان سنو تو وہی کلمات کہو جو وہ کہتا ہے، پھر مجھ پر درود پڑھو کیونکہ جو شخص مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ پھر میرے لیے جنت میں ”وسیلہ“ کی دعا مانگو، کیونکہ وہ جنت کا ایک ایسا مقام ہے جو اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے صرف ایک

بندے کو ملے گا، اور مجھے امید ہے کہ وہ شخص میں ہوں گا، اور جو شخص میرے لیے اس مقام کی دعا مانگے گا اس کے حق میں میری شفاعت واجب ہو جائے گی۔‘‘ (مسلم، الصحیح، کتاب الصلاۃ، باب استحباب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه ثم يصلي على النبي صلى الله عليه وآله وسلم ثم يسأل الله له الوسيلة، 1: 509، الرقم: 738)

اس حدیث مبارکہ میں اذان کے بعد درود پڑھنے کا حکم ہے لیکن پہلے پڑھنے کی ممانعت نہیں ہے۔ لہٰذا اذان سے پہلے پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ منع کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اگر کوئی پہلے پڑھ لے تو باعث برکت ہے نہ پڑھے تو گناہ نہیں ہے لیکن بعد میں نہ پڑھنا حکمِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف ہے۔

سوال: ہم نماز ادا کرتے ہیں مگر ہماری دعا قبول کیوں نہیں ہوتی؟

جواب: ہم نماز پڑھتے ہیں لیکن ہماری دعا قبول نہیں ہوتی اس کی وجہ یہ ہے کہ جو چیز ہم مانگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہمارے حق میں بہتر نہیں ہوتی یا اس دعا کے عوض اللہ تعالیٰ ہم سے دنیا و آخرت کی کوئی بلا ٹال دیتا ہے۔ یا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ابھی اس چیز کی عطا کا وقت نہیں آیا وہ اس کو مؤخر کر دیتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ تین سو سال بعد قبول ہوئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کی دعا مانگی جو دو ہزار سال بعد پوری ہوئی یا اس دعا کے عوض آخرت میں اجر عطا فرماتا ہے۔ یہ امور اس وقت مرتب ہوتے ہیں۔ جب بندہ مسلسل بغیر کسی گلے شکوے کے دعا کرتا رہے۔

حضرت ابراہیم بن ادہمؒ اُس کا جواب بڑے حسین پیرائے میں دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ. (الغافر، 40 : 60)

''تم مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔''

ہم دعا کرتے ہیں مگر قبول نہیں کی جاتی اس کی وجوہات یہ ہیں:

- عرفتم الله ولم تؤدوا حقه- تم نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا مگر اس کی اطاعت نہ کی۔
- قرأتم القرآن ولم تعملوا به- تم نے قرآن کریم پڑھا مگر اس پر عمل نہ کیا۔
- ادعیتم حب رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم وترکتم سنتهس- تم نے محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دعویٰ کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت چھوڑ دی۔
- ادعیتم عداوة الشیطان و وافقتموه- تم نے شیطان کے دشمن ہونے کا دعویٰ کیا مگر پھر اُسی کی موافقت کی۔
- قلتم: إنکم تحبون الجنة ولم تعملوا لها- جنت کی محبت کا دعویٰ کیا مگر اس کے لیے عمل نہ کیا۔
- قلتم: تخاف النار وذهبت أنفسکم بها- تم نے کہا کہ تم نارِ دوزخ سے ڈرتے ہو مگر تم اپنی جانوں کو اسی طرف لے کر گئے۔

سوال: ہنسی مذاق اور شرارت میں دی گئی تکلیف کا کیا حکم ہے؟

جواب: دینِ اسلام فطری دین ہے، جس نے انسان کی فطری خواہش کے عین مطابق حدود و قیود کے ساتھ ہنسی مزاح کی اجازت دی ہے۔ مزاح، زندہ دلی و خوش طبعی انسانی زندگی کا ایک خوش کن عنصر ہے، اور جس طرح اس کا حد سے متجاوز ہو جانا نازیبا اور مضر ہے، اسی طرح اس لطیف احساس سے آدمی کا بالکل خالی ہونا بھی ایک نقص ہے۔ جو بسا اوقات انسان کو خشک بنا دیتا ہے۔ بسا اوقات ہمجولیوں اور ہمنشینوں اور ماتحتوں کے ساتھ لطیف ظرافت و مزاح کا برتاؤ ان کے لیے بے پناہ مسرت کے حصول کا ذریعہ اور بعض اوقات عزت افزائی کا باعث بھی ہوتا ہے۔ مزاح انسانی فطرت کا لازمہ ہے اور اس کے جواز پر بے شمار دلائل موجود ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی مزاح فرماتے تھے لیکن آپ کا مزاح بھی ایسا ہوتا کہ جس میں نا تو جھوٹ ہوتا تھا اور نا اس سے کسی کی دل آزاری ہوتی۔ نبی اُکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے کہ مختلف مواقع پر آپ نے خوش طبعی اور مزاح فرمایا ہے، خشک مزاجی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پسند نہیں تھی، آپ نہیں چاہتے تھے کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنے مزاج و طبیعت کو ہمیشہ خشک اور بے لذّت بنائے رکھیں۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی

کبھار اپنے جاں نثاروں اور نیاز مندوں سے مزاح فرماتے تھے اور یہ ان کے ساتھ آپ کی نہایت لذت بخش شفقت ہوتی تھی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مزاح بھی نہایت لطیف اور حکیمانہ ہوتا تھا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"میں حق کے سوا کچھ نہیں کہتا، بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: یارسول اللہ (ﷺ) آپ ہم سے مزاح بھی فرماتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں مزاح میں بھی حق بات ہی کہتا ہوں۔" (أحمد بن حنبل، المسند، 2: 340، الرقم: 8462، مصر: مؤسسة قرطبة)

قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اے ایمان والو! کوئی قوم کسی قوم کا مذاق نہ اڑائے ممکن ہے وہ لوگ اُن (تمسخر کرنے والوں) سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں ہی دوسری عورتوں کا (مذاق اڑائیں) ممکن ہے وہی عورتیں اُن (مذاق اڑانے والی عورتوں) سے بہتر ہوں، اور نہ آپس میں طعنہ زنی اور الزام تراشی کیا کرو اور نہ ایک دوسرے کے برے نام رکھا کرو، کسی کے ایمان (لانے) کے بعد اسے فاسق و بدکردار کہنا بہت ہی برا نام ہے، اور جس نے توبہ نہیں کی سو وہی لوگ ظالم ہیں۔"

(الحجرات، 49: 11)

جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزاح کے آداب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

"اپنے بھائی کو ہنسی مذاق کر کے ناراض نہ کرو اور اسے اذیت نہ دو، اور نہ اس سے وعدہ کر کے وعدہ خلافی کرو۔" (ترمذي، السنن، كتاب: البر والصلة، باب: ما جاء في المراء، 4: 359، الرقم: 1995، بيروت: دار إحياء التراث العربي)

درج بالا آیت و روایت سے معلوم ہوا کہ ایسی دل لگی اور مزاح جس میں کسی کی دل شکنی اور ایذاء رسانی کا کوئی پہلو نہ ہو اور نہ اس کی نیت ہو تو شریعت میں تفریحِ طبع کے طور پر اس کی اجازت ہے۔ اس کے برعکس ایسا مزاح جس میں طنز کرنے، مذاق اڑانے، عزتِ نفس مجروح کرنے، فحش گالیاں دینے، فحش گوئی کرنے وغیرہ کے پہلو شامل ہوں' شرعِ اسلامی میں ممانعت ہے اور اس کا مرتکب گناہگار ہے۔ اگر کوئی شخص درج بالا ممنوع امور کا مرتکب ہوا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنی چاہیے، اس کے مزاح سے جن لوگوں کی دل آزاری ہوئی ہے اگر وہ زندہ ہیں تو ان سے بھی معافی مانگی جائے اور ان میں سے جو فوت ہو چکے ہیں ان کا معاملہ خدا تعالیٰ پر چھوڑ دے۔ آئندہ ایسے مزاح سے اجتناب کرے۔

گلدستہ

اتباعِ سنت کی سائنسی تحقیق

نازیہ عبدالستار

اتباع سنت کی سائنسی تحقیق

بیٹھ کر پانی پینا سنت ہے

اگر پانی بیٹھ کر پیا جائے تو جسم کی حاجت کے مطابق پانی جسم میں جاتا ہے اور اگر زیادہ پانی جسم میں چلا جائے تو جسم کی ضرورت سے زائد ہوتا ہے اس کی وجہ سے ایک خطرناک مرض ہوتا ہے جسے استسقاء کہتے ہیں اور مریض کا تمام بدن پھول جاتا ہے۔

کھڑے ہو کر پانی پینا خلافِ سنت ہے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا: (اگر پانی کھڑے ہو کر پیا جائے تو اس کی وجہ سے معدہ اور جگر کی ایسی بیماریاں پھیلتی ہیں جن کے علاج میں معالجین عاجز آجاتے ہیں۔ کھڑے ہو کر پانی پینے سے پاؤں پر ورم کا خطرہ رہتا ہے اور اگر یہ پاؤں کی ورم شروع ہو جائے تو جسم کے تمام حصوں پر ورم کا خطرہ ہوتا ہے۔

ایک حدیث مبارکہ کا مفہوم ہے کہ اگر تمہیں پتہ لگ جائے کہ کھڑے ہو کر پانی پینے کا اتنا نقصان ہے تو وہ پانی تم حلق میں انگلی ڈال کر باہر نکال دو۔

تین سانس میں پانی پینا سنت ہے

احادیث میں پانی کو تین اور بعض میں دو سانس کیساتھ پینے کا حکم ہے معمولات نبوی ﷺ اگر پانی کو تین سانس میں نہ پیا جائے تو مندرجہ ذیل امراض پیدا ہو سکتے ہیں۔

1۔ پانی سانس کی نالی میں جا کر نظام تنفس میں اٹک جاتا ہے جس سے بعض اوقات موت واقع ہونے کا خطرہ۔ لاحق ہوتا ہے۔

2۔ اس کا زیادہ نقصان دماغ کے پردوں پر پڑتا ہے۔ کیونکہ پانی کی لہریں دماغ کے پردوں کیساتھ تعلق رکھتی ہیں دماغ میں فلوئڈ ہے اور اسکی نسبت پانی سے ہے۔ اگر آہستہ آہستہ پانی پیا جائے تو مضر اثرات کبھی بھی دماغ پر نہیں پڑیں گے۔

3۔ معدے میں فوراً زیادہ مقدار میں پانی چلا جائے تو اس کی سطحی اندرونی کیفیت میں انبساط یعنی پھیلاؤ ہوتا ہے اگر یہ پھیلاؤ اوپر کی سطح سے ہو تو دل اور پھیپھڑوں کے نقصان کا خطرہ رہتا ہے اگر یہ دائیں طرف ہو تو جگر کو نقصان پہنچتا ہے اور اگر یہ بائیں طرف ہو تو تلی کو نقصان پہنچتا ہے اگر یہ نیچے کی طرف ہو تو آنتوں پر دباؤ پڑتا ہے۔

دائیں کروٹ لیٹنا سنت ہے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دائیں جانب روبقبلہ ہو کر آرام فرماتے تھے (دل بائیں طرف ہے اگر بائیں طرف لیٹیں تو مندرجہ ذیل عوارضات کا قوی خطرہ ہوتا ہے۔ دل کے امراض پیدا ہو جاتے ہیں کیوں کہ بائیں کروٹ لیٹنے سے معدہ اور آنتوں کا بوجھ دل پر پڑتا ہے جس کی وجہ سے دوران خون اور دل کی حرکات میں کمی پیدا ہو جاتی ہے۔ جدید تحقیق سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ دائیں طرف سونا دل اور معدے کے امراض سے بچاتا ہے۔ حتیٰ کہ بے ہوشی اور مسلسل بے ہوشی سے بھی محفوظ رکھتا ہے۔ صاحب مدارج النبوۃ نے اس کی حکمت یہ نقل کی ہے کہ چونکہ بائیں جانب دل ہوتا ہے اگر اس کروٹ کے بل سویا جائے تو نیند بہت گہری آتی ہے حتیٰ کہ آدمی اپنے آپ سے بالکل بے خبر ہو جاتا ہے ہلکی آہٹ پر بھی آنکھ نہیں کھلتی ظاہر ہے کہ ایسی نیند محمود نہیں اور اگر دائیں کروٹ سویا جائے تو دل معلق رہتا ہے اور شدید گہری نیند نہیں آتی (یعنی ذرا سی آہٹ پر آنکھ کھل جاتی ہے اس طرح خدانخواستہ کسی بھی ناگہانی صورت میں انسان اپنی اور اپنے اہل و عیال کی حفاظت کر سکتا ہے (اور صبح کی نماز کے لئے آسانی سے آنکھ کھل جاتی ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوران سفر اگر صبح کے وقت کبھی آرام فرماتے تو دایاں بازو کھڑا کر کے ہتھیلی پر سر رکھ کر آرام فرماتے تاکہ نیند زیادہ گہری

نہ آئے۔اور نماز فجر قضا نہ ہو جائے۔اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی گزاری۔

سونے سے قبل لباس کی تبدیلی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے قبل تہبند باندھتے اور کرتا اتار کر ٹانک دیتے۔(معمولات نبویؐ)حفظان صحت کا اصول ہے کہ جس لباس میں تمام دن رہے اسی لباس میں ہر گز نہ سوئیں بلکہ کسی ایسے لباس میں سوئیں جو ہلکا اور ڈھیلا ہو کیونکہ تنگ اور سخت لباس میں نیند اچھی نہیں آتی۔

سونے کا لباس یا سلیپنگ ڈریس

اہل یورپ کی ہی اصطلاح ہے جسے وہ صحت کے اصولوں کے موافق اور فخر سمجھ کر پہنتے ہیں۔جبکہ اسلام نے اس سے قبل مسلمانوں کو رات کا لباس تہبند باندھنا بتایا ہے کیونکہ تہبند واحد لباس ہے جو کہ ہلکا کھلا اور ڈھیلا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سفید لباس کو پسند فرماتے تھے۔

سفید لباس ہر قسم کے (موسمی) سخت تغیرات کا مقابلہ کرتا ہے۔ سخت گرمی کے موسم میں سفید لباس گرم نہیں ہوتا۔

کیونکہ یہ گرمی کو جذب نہیں کرتا بلکہ رادع حرارت ہے سخت سردی کے موسم میں سردی کی وجہ سے لباس ٹھنڈا نہیں ہوتا۔

حاجت کے لئے دور نکل جانا سنت ہے

کتب احادیث کے مطابق آپ ﷺ قضائے حاجت کے لئے بہت دور نکل جاتے تھے۔اس وقت جدید سائنس زیادہ چلنے پر زور دے رہی ہے حتیٰ کہ امریکہ کے بڑے بڑے ہسپتالوں میں یہ بات نمایاں ہے کہ پاؤں پہلے پیدا ہوا یا پہیہ۔ظاہر ہے کہ پاؤں پہلے پیدا ہوا اس کا مقصد قوم کو پیدل چلانا ہے۔

ایک بائیو کیمسٹری کے ماہر نے نکتے کی بات کہی کہ جب سے شہر پھیلنے لگے، آبادی بڑھنے لگی اور کھیت ختم ہونے لگے اس وقت سے اب تک امراض کی بہتات ہو گئی ہے۔کیونکہ جب سے دور چل کے حاجت کرنا چھوڑا ہے اس وقت سے اب تک قبض، گیس، تبخیر اور جگر کے امراض بڑھ گئے ہیں۔

چلنے سے آنتوں کی حرکات تیز ہو جاتی ہیں جس کی وجہ سے حاجت تسلی بخش ہوتی ہے آج حاجت غیر تسلی بخش ہوتی ہے جس کی وجہ سے بیت الخلا میں زیادہ وقت گزارنا پڑتا ہے۔

عمامہ پہننا سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

عمامہ پہننا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اس کے بے شمار فوائد ہیں۔ جو آدمی عمامہ باندھے گا وہ لو لگنے (Sun Stroke) سے بچ جائے گا۔ پگڑی باندھنے سے دائمی نزلہ نہیں ہوتا اگر ہو بھی تو اس کے اثرات کم ہو جاتے ہیں سر درد کیلئے عمامہ بہت مفید ہے۔ جو عمامہ باندھے اسے درد سر (Headache) کا خطرہ کم ہو جاتا ہے۔

عمامہ دماغی تقویت اور یادداشت بڑھانے کے لئے عجیب الاثر ہے۔ عمامہ کا شملہ ریڑھ کی ہڈی کے ورم سے بچاتا ہے۔

عمامہ کا شملہ نچلے دھڑ کے فالج سے بچاتا ہے۔ کیونکہ عمامہ کا شملہ حرام مغز (Spinal Cord) کو سردی گرمی اور موسمی تغیرات سے محفوظ رکھتا ہے اس لئے ایسے آدمی کو سرسام کے خطرات کم رہتے ہیں۔

فزیالوجی کی تحقیق اور ریسرچ کے مطابق جب حرام مغز محفوظ رہے گا تو جسم کا اعصابی نظام (Nervous System) اور عضلاتی نظام (Muscles System) درست اور منظم رہے گا.... اور ایسا پگڑی کے شملے میں ممکن ہے۔

سفید عمامہ کی وجہ سے دماغ اور دماغی اعصاب (Brain Nerves) گرمی کی تمازت اور لو کے اثرات سے محفوظ رہتے ہیں۔

سنتیں اور نوافل کے فوائد

صحیح مسلم میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان ہر دن اللہ کے لئے بارہ رکعت نفل پڑھے جو فرض کے سوا ہیں تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ بہشت میں گھر بنا دیتا ہے۔

ترمذی کی روایت میں ان بارہ رکعتوں کی تفصیل اس طرح آئی ہے کہ چار رکعت فرض ظہر سے پہلے اور دو رکعت بعد فرض ظہر کے اور دو رکعت فرض مغرب کے بعد اور دو رکعت فرض عشاء کے بعد اور دو رکعت فجر سے پہلے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ان بارہ رکعتوں کو گھر میں پڑھا کرتے تھے اور جو عمل ایسا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی فضیلت بتائیں اور خود بھی ہمیشہ کریں وہ سنت موکدہ ہوتا ہے جو شخص بلا عذر اس کو ترک کرے اور اس کے ترک پر اصرار کرے وہ گمراہ ہے۔ (ردالمختار)

(کتاب کا نام: مسنون زندگی قدم بہ قدم صفحہ نمبر: 71 تا 76)

اوقات نماز اور جدید سائنس

انسان طبعی طور پر محرک جسم ہے یہ ساکت اور جامد اجسام کی ضد ہے۔ اس لیے اس میں صحت، تندرستی اور بقا تحریک میں ہے۔ اور نماز بار بار اسی تحریک کا نام ہے۔ قدرت نے اس کے معمولات زندگی اور اس کو ازل سے ابد تک جانتے پہچانتے ہوئے نماز میں اس کے لیے اوقات اور وقفے مقرر کیے ہیں۔

نماز فجر

نماز فجر اس وقت ہوتی ہے جب رات ڈوبنے کو ہوتی ہے اور انسان رات بھر کے آرام و سکون کے بعد جاگتا ہے۔ سائنس اور حفظان صحت کا اصول ہے کہ کسی بھی ورزش کو کرنے کے لیئے آہستہ آہستہ اپنی رفتار، قوت اور لچک میں اضافہ کیا جائے حتی کہ دوڑنے کے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ پہلے آہستہ آہستہ دوڑیں پھر تیز پھر اور تیز اور پھر سبک رفتار بن جائیں۔ اگر انسان صبح اٹھتے ہی سترہ رکعات نماز شروع کر دے تو وہ جلد ہی اعصاب اور بے طاقتی کا مریض بن جائے گا اور پھر رات کو سونے کے بعد صبح

اٹھتے ہی پیٹ خالی ہوتا ہے اور اعضاء بھی رات بھر سکون میں رہے ہوتے ہیں اگر انہیں فوراً" تحریک دی جائے تو سخت محنت اور اٹھک بیٹھک مضر ہے اس لیے اللہ نے صبح کی نماز مختصر رکھی ہے۔

صبح کی نماز کا مقصد خالق کی عبادت کے علاوہ انسان کو طہارت اور صفائی کی طرف مائل کرنا بھی ہے اگر اس نے نماز کا وضو اور مسواک نہ کی اور صبح کا ناشتہ کر لیا تو رات بھر جو جراثیم منہ میں پھلتے پھولتے رہے اور بیکٹیریا کی ایک خاص قسم جو رات کو سوتے وقت منہ میں پیدا ہو جاتی ہے، وہ غذا، لعاب یا پانی کے ذریعے اندر چلے جاتے ہیں اور معدے کی سوزش، آنتوں کے ورم اور السر کے خطرات بڑھ جاتے ہیں۔

نماز ظہر

صبح سے دوپہر تک آدمی فکر معاش کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ اس دوران گرد و غبار دھول و مٹی سے اس کا واسطہ پڑتا رہتا ہے بعض اوقات ایسے کیمیکل ہوا کے ذریعے کھلے اعضاء، چہرے اور ہاتھوں پر لگ جاتے ہیں جو اگر زیادہ دیر رہیں تو انتہائی مضر ثابت ہوتے ہیں تو ایسی کیفیت میں انسان جب وضو کرتا ہے تو اس کی ساری کثافتیں اور تھکان دور ہو جاتی ہے سورج کی تمازت ختم ہو کر جو زوال سے شروع ہوتی ہے تو زمین کے اندر سے ایک گیس خارج ہوتی ہے یہ گیس اس قدر زہریلی ہوتی ہے کہ اگر آدمی کے اوپر اثر انداز ہو جائے تو قسم قسم کی بیماریوں میں مبتلا کر دیتی ہے دماغی نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ جب کوئی بندہ ذہنی طور پر عبادت میں مشغول ہو جاتا ہے تو نماز کی نورانی لہریں اسے اس خطرناک گیس سے محفوظ کر دیتی ہیں.

نماز عصر

زمین دو طرح سے چل رہی ہے ایک گردش محوری دوسری طولانی۔ زوال کے بعد زمین کی گردش میں کمی واقع ہو جاتی ہے اور پھر رفتہ رفتہ یہ گردش اتنی کم ہو جاتی ہے کہ حواس پر دباؤ پڑنا شروع ہو جاتا ہے۔ انسان، حیوان، چرند پرند سب پر دن کے حواس کے بجائے رات کے حواس کا دروازہ کھلنا شروع ہو جاتا ہے اور شعور مغلوب ہو جاتا ہے۔ ہر ذی شعور انسان اس بات کو محسوس کرتا ہے کہ عصر کے وقت اس پر ایک ایسی کیفیت طاری ہو جاتی ہے جس کو وہ تھکان، بے چینی اور اضمحلال کا نام دیتا ہے مگر یہ شعور حواس پر لاشعور حواس کی گرفت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ عصر کی نماز شعور کو اس حد تک مضمحل ہونے سے روک دیتی ہے جس سے دماغ پر خراب اثرات مرتب ہوں وضو اور عصر کی نماز قائم رکھنے والے بندے میں اتنی طاقت آجاتی ہے کہ وہ لاشعوری نظام کو آسانی سے قبول کر لیتا ہے اور اپنی روح کے قریب ہو جاتا ہے اور دماغ روحانی تحریکات قبول کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔

نماز مغرب

دن بھر رزق کے حصول کے لیے کی جانے والی محنت کا جب صلہ ملتا ہے تو آدمی بالفعل اس بات کا شکرادا کرتا ہے۔ شکر کے جذبات سے وہ مسرور، خوش و خرم اور پر کیف ہو جاتا ہے۔ اس کی ان کیفیات کا اس کے بچوں پر براہ راست اثر پڑتا ہے اور ان کے دل میں اس کے لیے عزت و احترام اور محبت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور بچے غیر ارادی طور پر اپنے والدین کی اچھی عادات کو اپناتے ہیں الغرض نماز مغرب کی پابندی کرنے والے کی اولاد نیک فرماں بردار اور سعادت مند ہوتی ہے۔

نماز عشاء

انسان طبعی طور پر لالچی ہے جب وہ کاروبار دنیا سے فارغ ہو کر گھر آتا ہے تو کھانا کھاتا ہے اور لذت و حرص میں کھانا زیادہ کھالیتا ہے اب اگر وہ کھانے کے فورا بعد لیٹ جائے تو وہ مہلک امراض میں مبتلا ہو جائے گا۔ اب اللہ نے اس کو ایک اور فائدہ بھی دیا ہے کہ سونے سے پہلے نماز عشاء کی طویل ورزش ایک تو کھانا ہضم کرنے میں مدد دے گی اور دوسرا سکون اور آرام کی نیند سلائے گی۔ اب تو خود ماہرین بھی سونے سے قبل ورزش پر زور دیتے ہیں۔

نماز تہجد

نماز تہجد کے مندرجہ ذیل فوائد ہیں جو طویل تحقیقات کے بعد ماہرین نے اخذ کئے اور کتابوں میں بیان کیے ہیں:

1۔ بے سکونی اور نیند کی کمی کا علاج ہے۔

2۔ دل کے امراض کے لیے تریاق اعظم ہے۔

3۔ اعصابی کھچاؤ اور جکڑاؤ کے لیئے مفید ہے۔

4۔ دماغی امراض خاص طور پر پاگل پن کی خطرناک کیفیت کے لیے آخری علاج ہے۔

5۔ انسانی جسم میں نشاط، فرحت اور غیر معمولی طاقت پیدا کرتی ہے جو اسے سارا دن ہشاش بشاش رکھتی ہے۔

(بحوالہ سنت نبوی ﷺ اور جدید سائنس)

کامیاب لوگوں کی عادات

آمنہ خالد

تپتی ریت پر اخبار بچھا کر سونے والے کسی مزدور اور سونے کا چمچ منہ میں لے کر پیدا ہونے والے کسی شہزادے کی آنکھیں ایک جیسے خواب تو دیکھ سکتی ہیں لیکن یہ قدرت کا قانون ہے کہ انکھیں جتنا بڑا خواب دیکھتی ہیں اس خواب کی تعبیر پانے کے لیے اتنی بڑی قربانی دینا پڑتی ہے۔

کامیاب لوگوں کی عادات ہمیشہ سے ہی مطالعے کا موضوع رہی ہیں کیونکہ یہ عادات نہ صرف انفرادی کامیابی کا راز کھولتی ہیں بلکہ دوسروں کے لیے بھی رہنمائی فراہم کرتی ہیں۔کامیابی کا مطلب صرف مادی دولت یا پیشہ ورانہ کامیابی نہیں ہوتا بلکہ یہ زندگی کے مختلف پہلوؤں میں مثبت نتائج حاصل کرنے کا نام ہے۔کامیاب لوگوں کی چند ایسی مشترکہ عادات ہیں جو انہیں دوسروں سے ممتاز بناتی ہیں اور ان کے لیے کامیابی کے راستے کھولتی ہیں۔

ہم جب بھی کامیاب افراد اور قوموں کی زندگیوں کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں کامیابی اور ناکامی کے درمیان ایک حد فاصل دکھائی دیتی ہے عزت اور ذلت کے درمیان ایک لفظ تفریق ڈالتا ہے بلندی اور پستی کے درمیان صرف ایک فرق دکھائی دیتا ہے۔وہ حد فاصل، وہ لفظ، وہ فرق عادات ہے۔

کامیاب لوگ اپنے اہداف کے حصول کے لیے سخت محنت کرتے ہیں، مستقل مزاجی کا مظاہرہ کرتے ہیں، اور مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے بھی ہمت نہیں ہارتے۔ وہ اپنی غلطیوں سے سبق سیکھتے ہیں اور ہر ناکامی کو ایک نئے سبق کے طور پر دیکھتے ہیں۔ ان کے پاس مثبت رویہ، مضبوط ارادے، اور واضح اہداف ہوتے ہیں۔

دوسری جانب، ناکام لوگ اکثر جلدی ہمت ہار جاتے ہیں، مشکلات سے گھبراتے ہیں، اور اپنی غلطیوں سے سبق نہیں سیکھتے۔ ان کے اہداف غیر واضح یا غیر حقیقت پسندانہ ہو سکتے ہیں، یا وہ اپنے وقت اور وسائل کا مناسب استعمال نہیں کرتے۔

کامیابی اور ناکامی کا یہ موازنہ ہمیں سکھاتا ہے کہ ہر انسان میں کامیاب ہونے کی صلاحیت موجود ہے، بشرطیکہ وہ اپنی کوششوں کو صحیح سمت میں اور مستقل مزاجی کے ساتھ جاری رکھے۔

بل گیٹ ((Bill Gates، ایلون مسک ((Elon Musk، جیف بیزوس (Jeff Bezos)، آسٹیو جابز ((Steve Jobs، مادر ٹریسا((Mother Teresa کا شمار دنیا کے کامیاب ترین لوگوں میں ہوتا ہے۔ ان کی عادات ان کی کامیابی میں کلیدی کردار ادا کرتی ہیں۔ کامیاب لوگ ان عادات کی بدولت اپنی زندگی میں نمایاں مقام حاصل کرتے ہیں جو ان کی کامیابی کے لئے نہایت اہمیت رکھتی ہیں۔ زیل میں ان کامیاب لوگوں کی چند عادات کا ذکر کیا جا رہا ہے

1. وقت کی پابندی

کامیاب لوگ وقت کی قدر کرتے ہیں اور اسے ضائع نہیں کرتے۔ وہ ہر لمحے کو بہترین طریقے سے استعمال کرتے ہیں۔ وہ ہر روز صبح سویرے اٹھتے ہیں تاکہ اپنے تمام کاموں کو بروقت انجام دے سکیں۔ ان کی روزمرہ کی منصوبہ بندی میں وقت کا صحیح استعمال شامل ہوتا ہے۔

ڈائری یا کیلنڈر کا استعمال کرتے ہیں، اور ہر روز کے کاموں کو لکھ کر ترتیب دیتے ہیں۔ وہ مقررہ وقت پر ہر کام کو مکمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

2. مثبت سوچ

کامیاب لوگ ہمیشہ مثبت رہتے ہیں۔ وہ چیلنجز کو مواقع کے طور پر دیکھتے ہیں اور مشکل حالات میں بھی مثبت رہتے ہیں۔

وہ کبھی بھی منفی خیالات کو ذہن میں جگہ نہیں دیتے۔ اور ایسے لوگوں کے ساتھ وقت گزارتے ہیں جو مثبت توانائی دیتے ہیں۔

3. مسلسل سیکھنا

کامیاب لوگ ہمیشہ سیکھنے کی جستجو میں رہتے ہیں۔ وہ اپنی معلومات میں اضافہ کرتے ہیں اور نئی چیزیں سیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔
وہ مختلف موضوعات پر کتابیں پڑھتے ہیں۔وہ آن لائن یا آفس میں نئے کورسز میں شرکت کرتے ہیں۔ان کے لئے سیکھنے کا عمل کبھی ختم نہیں ہوتا۔

4. خود اعتمادی

کامیاب لوگ اپنی صلاحیتوں پر یقین رکھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ وہ کیا کر سکتے ہیں اور اپنی خود اعتمادی کو برقرار رکھتے ہیں۔
وہ اپنی صلاحیتوں اور قابلیت پر یعنی خود پر یقین رکھتے ہیں۔ اور وہ ہمیشہ خود سے مثبت باتیں کرتے ہیں۔ان کی خود اعتمادی انہیں مشکلات کا سامنا کرنے اور انہیں حل کرنے میں مدد دیتی ہے۔

5. صحت کا خیال

کامیاب لوگ اپنی جسمانی اور ذہنی صحت کا خیال رکھتے ہیں۔ وہ باقاعدگی سے ورزش کرتے ہیں، متوازن غذا کھاتے ہیں،اور مناسب آرام کرتے ہیں۔
وہ روزانہ کم از کم 30 منٹ کی ورزش کرتے ہیں۔۔ان کی صحت مند زندگی انہیں بہتر کارکردگی دکھانے میں مدد دیتی ہے۔

6. مستقل مزاجی

کامیاب لوگ مستقل مزاج ہوتے ہیں۔ وہ کسی بھی ناکامی سے گھبراتے نہیں ہیں اور مسلسل محنت کرتے رہتے ہیں۔ وہ اپنے اہداف کو حاصل کرنے کے لئے منصوبہ بندی کرتے ہیں۔اور مسلسل اور سخت محنت کرتے ہیں۔ان کی مستقل مزاجی اور محنت انہیں کامیابی کے راستے پر لے جاتی ہے۔

7. موثر منصوبہ بندی

کامیاب لوگ اپنے وقت اور وسائل کو بہترین طریقے سے استعمال کرنے کے لئے منصوبہ بندی کرتے ہیں۔ وہ اپنے دن، ہفتہ ،اور مہینہ کی منصوبہ بندی کرتے ہیں تاکہ وہ اپنے مقاصد کو حاصل کر سکیں۔

اہمیت کے مطابق اپنے کاموں کو ترجیح دیتے ہیں، اہم کاموں کو پہلے کرتے ہیں۔ مختلف منصوبہ بندی کے اوزار استعمال کرتے ہیں۔

8. تعلقات کی تعمیر

کامیاب لوگ دوسروں کے ساتھ مضبوط تعلقات قائم کرتے ہیں۔ وہ اپنے کام کے ماحول میں اچھے تعلقات بناتے ہیں اور دوسروں کی مدد کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔

انہیں سنتے ہیں اور ان کے مسائل حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے اچھے تعلقات انہیں مختلف مواقع فراہم کرتے ہیں۔

کامیاب لوگ ہمیشہ دوسروں کی مدد کرنے میں پہل کرتے ہیں۔ اور لوگوں سے کھل کر بات چیت کرتے ہیں۔

9. شکر گزاری

کامیاب لوگ ہمیشہ شکر گزار رہتے ہیں۔ وہ اپنی کامیابیوں اور ناکامیوں دونوں سے سیکھتے ہیں اور اپنے پاس موجود چیزوں کی قدر کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ ان کی شکر گزاری انہیں مزید نعمتوں سے نوازتی ہے۔

کامیاب لوگ ہر روز شکر گزاری کے لئے وقت نکالتے ہیں۔ اور زندگی کے مثبت پہلوؤں پر توجہ مرکوز کرتے ہیں۔

10. اہداف کا تعین

کامیاب لوگ اپنے اہداف کو چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کرتے ہیں تاکہ انہیں حاصل کرنا آسان ہو۔ وہ اپنے اہداف کو لکھتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں۔

کامیاب لوگ مخصوص، ماپنے کے قابل، حاصل کرنے کے قابل، حقیقت پسندانہ اور وقت کے پابند اہداف طے کرتے ہیں -اور اپنے اہداف کی طرف پیش رفت کی نگرانی کرتے ہیں۔

کامیاب لوگ اپنے مقصد کو واضح رکھتے ہیں۔ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیا چاہتے ہیں اور کس طرح اسے حاصل کر سکتے ہیں۔ وہ اپنے مقصد کی طرف قدم بہ قدم بڑھتے ہیں اور کبھی راستہ نہیں بھٹکتے۔

11. لچکدار رویہ

کامیاب لوگ تبدیلی کو قبول کرتے ہیں اور حالات کے مطابق خود کو ڈھال لیتے ہیں۔ وہ مختلف حالات میں بھی اپنا مقصد نہیں چھوڑتے۔

تبدیلی کو قبول کرتے ہوئے حالات کے مطابق اپنے منصوبوں میں تبدیلی کرتے ہیں۔ اور مختلف حالات کے مطابق اپنے رویے میں تبدیلی لاتے ہیں۔

12. مہارت کی بہتری

کامیاب لوگ ہمیشہ اپنی مہارتوں کو بہتر بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ اپنی خامیوں پر کام کرتے ہیں اور اپنی صلاحیتوں کو نکھارتے ہیں۔

کامیاب لوگ مختلف ہنر اور تکنیکیں سیکھتے ہیں۔ اور اپنی مہارتوں کو بہتر بنانے کے لئے مسلسل مشق کرتے ہیں۔ ان کی محنت اور لگن انہیں مہارت میں بہترین بناتی ہے۔

یہ عادات کسی بھی شخص کو کامیابی کی طرف لے جاسکتی ہیں۔ اگر ہم بھی ان عادات کو اپنی زندگی میں شامل کر لیں، تو ہم بھی کامیاب لوگوں کی صف میں شامل ہو سکتے ہیں۔

ایسی عادات ہماری زندگی میں مثبت تبدیلیاں لانے میں اہم کردار ادا کر سکتی ہیں۔ یاد رکھیں کہ کامیابی کوئی اتفاقی چیز نہیں، بلکہ یہ مسلسل محنت، عزم، اور درست عادات کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اس لیے، ہمیں اپنی زندگی میں مثبت عادات کو فروغ دینا چاہیے اور غیر ضروری عادات کو ترک کرنا چاہیے تاکہ ہم ایک متوازن اور خوشحال زندگی گزار سکیں۔

Impact of High Population in Developing and Developed Countries

Hadia Saqib Hashmi
Research Associate, ICRIE

INTRODUCTION

Over the past century, the global population has surged at an unprecedented rate, leading to significant demographic shifts and posing numerous challenges worldwide. In 2021, the United Nations reported that the world population had reached approximately 7.9 billion people, with projections suggesting an increase to around 9.7 billion by 2050 (United Nations, 2021). This rapid growth is particularly pronounced in developing countries, where high birth rates and declining mortality rates contribute to significant population increases. These countries often struggle with limited resources, inadequate infrastructure, and insufficient social services, exacerbating issues such as poverty, malnutrition, and lack of access to quality healthcare and education. Consequently, the burgeoning population strains these already fragile systems, making sustainable development a critical yet daunting goal.

In developed countries, the population dynamics are markedly different, yet they also face significant challenges. These nations often grapple with aging populations, where a higher proportion of elderly individuals places considerable strain on social security systems, healthcare services, and the labor market. The demographic shift towards an older population necessitates innovative solutions to ensure economic stability and maintain a high quality of life for all citizens. Issues such as the shrinking workforce, increased healthcare costs, and the need for age-friendly infrastructure become more pressing. Additionally, developed countries must address the environmental impact of high consumption rates and waste generation, which are byproducts of their affluent lifestyles. Balancing economic growth with environmental sustainability and social equity remains a pivotal challenge for these nations.

From an Islamic perspective, addressing the complexities of population growth requires a framework that integrates ethical and religious principles. Islam emphasizes the importance of family, community welfare, and social justice, which should guide population control measures. Ethical family planning, education, and economic incentives are crucial components of this approach. Islam permits family planning methods that do not harm health and are mutually agreed upon by spouses, promoting the welfare of the family unit. Furthermore, education, particularly for women, plays a vital role in empowering individuals to make informed decisions about family size and childbearing. Economic policies that support smaller families without coercion can also be aligned with Islamic teachings, ensuring that population control strategies are humane, equitable, and respectful of religious values. This holistic approach underscores the necessity of integrating moral considerations with practical solutions to address the global population challenge effectively.

Impact of High Population in Developing Countries

1. Economic Strain: High population growth in developing countries often leads to economic challenges. Limited resources are stretched thin, resulting in inadequate public services and infrastructure. For instance, high population density in urban areas can lead to overcrowding, poor sanitation, and insufficient healthcare services (Smith, 2019).

2. Environmental Degradation: The increasing population exerts pressure on natural resources, leading to deforestation, loss of biodiversity, and increased carbon emissions. This exacerbates environmental issues, such as climate change and water scarcity, which are particularly detrimental to developing nations that often lack the resources to mitigate these effects (Jones & Brown, 2020).

3. Educational Challenges: High birth rates result in a young population that requires significant educational resources. In many developing countries, this leads to overcrowded classrooms, insufficient educational materials, and a lack of qualified teachers, ultimately impacting the quality of education (Miller, 2021).

Impact of High Population in Developed Countries

1. Aging Population: Developed countries face different challenges with high populations, such as an aging demographic. While the total population might not be growing rapidly, the proportion of elderly individuals is increasing, leading to higher healthcare costs and a need for more extensive social support systems (Williams, 2019).

2. Labor Market Implications: The aging population in developed countries impacts the labor market by reducing the workforce and increasing the dependency ratio. This necessitates policies to either extend the working age or integrate more young workers from other regions, which can lead to sociopolitical tensions (Garcia & Liu, 2021).

3. Resource Consumption: High population density in developed nations leads to substantial resource consumption and waste generation. This not only impacts the environment but also requires advanced technological solutions to manage waste and promote sustainable living (Harris, 2020).

Ways to Control Population Growth: Islamic Perspective

1. Ethical Family Planning: Islam permits family planning as long as it does not harm the physical or mental health of the spouse and aligns with mutual consent. The use of contraceptives is allowed to space births and ensure the well-being of the mother and children, provided it does not involve permanent sterilization (Rahman, 2018).

2. Education and Awareness: Promoting education, particularly among women, is crucial in controlling population growth. Educated women are more likely to make informed decisions about family planning and childbearing. Islam encourages the pursuit of knowledge, making education a vital component of population control strategies (Karim, 2020).

3. Economic Incentives: Providing economic incentives for smaller families can be effective. Islamic principles support the provision of financial stability and welfare for families, which can include incentives for those who choose to have fewer children (Abdullah, 2019).

4. Social Support Systems: Establishing robust social support systems can alleviate the pressures of high population growth. Islam emphasizes the importance of community support and welfare, suggesting that comprehensive social policies can help manage population growth sustainably (Ahmed, 2021).

CONCLUSION

The global population size presents unique challenges for both developing and developed countries. While developing nations grapple with economic, environmental, and educational issues, developed countries face an aging population and resource consumption concerns. From an Islamic perspective, population control should be approached through ethical family planning, education, economic incentives, and strong social support systems, ensuring that measures align with religious and moral principles.

References

1. Abdullah, R., 2019. Economic Incentives for Population Control in Islamic Contexts.
2. Ahmed, N., 2021. Islamic Principles and Social Support Systems for Population Management.
3. Garcia & Liu, X., L., 2021. Labor Market Effects of an Aging Population in Developed Nations.
4. Harris, J., 2020. Resource Consumption and Waste Management in High-Density Developed Regions.
5. Karim, S., 2020. The Role of Education in Population Control: An Islamic Perspective.
6. Miller, A., 2021. Educational Challenges in Overpopulated Developing Countries.
7. Naylor, R., Matson, P., 1993. Environmental impact of population growth. Eos, Trans. Am. Geophys. Union. https://doi.org/10.1029/93EO00254
8. Rahman, M., 2018. Islamic Views on Family Planning and Contraception.
9. Smith, J., 2019. Economic Challenges of High Population Density in Urban Areas.
10. Williams, K., 2019. Aging Population and Its Economic Implications in Developed Countries.
11. 2016. World Population Prospects. World Popul. Prospect. https://doi.org/10.18356/cd7acf62-en

منہاجین سسٹرز ڈیپارٹمنٹ کی جانب سے منہاج کالج برائے خواتین میں گرمیوں کی چھٹیوں کے پلان سے متعلق خصوصی سیشن کا انعقاد کیا گیا

Oath-Taking Ceremony of Bazm-i-Minhaj (MCW)-2024

منہاج القرآن ویمن لیگ کی کورٹیم کی نائب صدر MQI بریگیڈیئر (ر) اقبال احمد خان کے ہمراہ اہم میٹنگ کا انعقاد، مراکز العلم پراجیکٹ کے نفاذ پر گفتگو

صدر منہاج القرآن ویمن لیگ ڈاکٹر فرح ناز کی زیرِ صدارت ایگزیکٹو ٹیم کا اہم اجلاس: مراکزِ علم کا قیام (اہداف سال 2024ء)

منہاج القرآن ویمن لیگ کے دو رکنی مرکزی وفد محترمہ انیلہ الیاس صاحبہ (زونل ناظمہ سنٹرل پنجاب A) محترمہ سحر عنبرین (ناظمہ دعوت و تربیت) کا لالیاں کا تنظیمی دورہ

Monthly
DUKHTARAN-E-ISLAM
JULY-2024
LAHORE
Regd CPL No.45

ناانصافی کے 10 سال

MODEL TOWN MASSACRE

قربانی رنگ لائے گی

شہدائے ماڈل ٹاؤن

شہدائے ماڈل ٹاؤن کی دسویں برسی کے موقع پر میں اللہ رب العزت کے حضور دعا گو ہوں کہ وہ شہدا کے درجات بلند اور لواحقین کو استقامت عطا فرمائے، 10 سال گزر جانے کے بعد بھی انصاف ملنا درکنار سپریم کورٹ کے حکم کے باوجود سانحہ کی غیر جانبدار تفتیش بھی نہیں ہو سکی، انصاف کے لیے جدو جہد جاری رکھنا ہم پر واجب ہے اور ہم یہ فریضہ آخری سانس تک انجام دیتے رہیں گے، انصاف کے لیے ہر دروازے پر دستک دی مگر مظلوموں کی داد رسی نہیں ہوئی، انصاف کی فراہمی کے حوالے سے عجب خوف، بے بسی، بے حسی، غفلت، لاپروائی اور سکوت مرگ ہے، انصاف فراہم کرنے کے ذمہ داران کو یہ بات ذہن نشین رہے کہ روز قیامت اللہ کی عدالت میں سب سے پہلا مقدمہ قتل ناحق کا پیش ہوگا اور پھر قاتلین کو گواہیاں چھپانے والوں کو، حقائق کو مسخ کرنے والوں کو اور ناانصافی کرنے والوں کو اللہ کی گرفت سے ان کا کوئی عذر نہیں بچا سکے گا۔

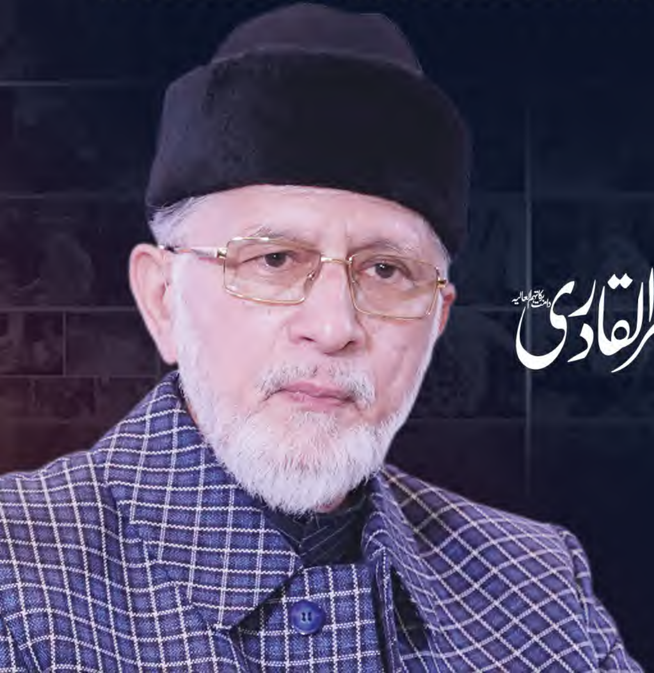

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری دامت برکاتہم العالیہ